احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

مارچ 2026ء

انفرادی و اجتماعی زندگی:
تحمل و برداشت کی ضرورت و اہمیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

رمضان المبارک: فکرِ انسانی کی تعمیرِ نو اور خود احتسابی

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری
کا دورہ مصر

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری
کا دورہ ایشین ممالک

23 مارچ 1940ء: اتحاد و یکجہتی کا یادگار دن

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 75 ویں سالگرہ
دنیا بھر میں دعائیہ تقریبات کا انعقاد اور شیخ الاسلام کی خدمات کو خراج تحسین

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورہ مصر

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 40 / شمارہ: 03 / رمضان/شوال ۱۴۴۷ھ / مارچ 2026ء

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

حسن ترتیب

اداریہ: 23 مارچ 1940ء: اتحاد و یکجہتی کا یادگار دن	(چیف ایڈیٹر)	5
القرآن: انفرادی و اجتماعی زندگی: تحمل و برداشت کی اہمیت و ضرورت؟	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	9
الفقہ: آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	22
رمضان المبارک: فکرِ انسانی کی تعمیرِ نو اور خود احتسابی	محمد یوسف منہاجین	27
اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے اسباب	ڈاکٹر محمد اکرم رانا	39
تیرا حوالہ دیا نہ جائے تو زندگی معتبر نہ ٹھہرے	ڈاکٹر فرح ناز	49
منہاج القرآن کے کارکنان: یہ تیرے پُراسرار بندے	امجد حسین چودھری	53
پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ مصر	خصوصی رپورٹ	58
پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا دورۂ ایشین ممالک	خصوصی رپورٹ	61
پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا اعزاز یونیسکو چیئر برائے تعلیم و امن تفویض		66
تقریبات: شیخ الاسلام ڈے		84

ایڈیٹوریل بورڈ
ڈاکٹر محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اُپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی، حفیظ اللہ جاوید

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | عکاسی: قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 60 روپے | سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمد باری تعالیٰ

خدا کی بندوں سے نسبت ہے نسبت کعبہ
ملی ہے قاسم نعمت سے نعمت کعبہ

خدا کا گھر ہے، خدا خود ہے پاسباں اس کا
نہ گھٹ سکے گی گھٹانے سے عظمت کعبہ

یہی تو پہلا ہے معبد خدا پرستوں کا
ہے اس لئے دل مومن میں رفعت کعبہ

جہاں بھر کی مساجد ہیں لائق تعظیم
مگر بلند ہے ان سب میں عظمت کعبہ

ہو دل میں عشق تو جھکتا ہے سر کے ساتھ ہی دل
نشان منزل ایماں ہے الفت کعبہ

سکون ملتا ہے آغوش ماں سے زائد ہی
لپٹ کے پردوں سے دیکھو تو شفقت کعبہ

خدا کا فضل سکندؔر ہے، ہر مسلماں پر
کہ ہے قلوبِ مسلماں میں حرمت کعبہ

(سکندؔر لکھنوی)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

جہاں میں نبی کی عطا ہو رفیق
شفاعت بروزِ جزا ہو رفیق

یہی آرزو ہے کہ دارین میں
نگاہِ شہِ دوسرا ہو رفیق

یہ ہے زندگی کا متاعِ عزیز
محبت نبی کی سدا ہو رفیق

الٰہی میں جس شہر میں بھی رہوں
مدینے کی مہکی ہوا ہو رفیق

پریشاں ہو کیوں تلخی دہر سے
جسے مصطفیٰ کی وِلا ہو رفیق

تمنا ہے حسنِ رخِ شاہ کی
زیارت بوقتِ قضا ہو رفیق

نہ گھبراؤں تاریکی قبر سے
جو آقا کا نورِ لِقا ہو رفیق

عدم کی طرف جب سفر ہو مرا
تو ہمدانی اُن کی ثنا ہو رفیق

(انجینئر اشفاق حسین ہمدانی)

اداریہ

23 مارچ 1940ء
اتحاد و یکجہتی کا یادگار دن

23 مارچ کا دن پاکستان کی قومی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ تاریخی لمحہ ہے جب 1940ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے جداگانہ تشخص اور آزاد وطن کے مطالبے کو باضابطہ شکل دی۔ قراردادِ لاہور جسے بعد ازاں قراردادِ پاکستان کہا گیا، اس نے برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی شعور، نظریاتی بصیرت اور اجتماعی عزم کو ایک سمت عطا کی۔ یہ محض ایک سیاسی دستاویز نہ تھی بلکہ ایک فکری اعلان تھا کہ مسلمان اپنی تہذیبی شناخت، دینی آزادی اور اجتماعی خود مختاری کے لیے ایک علیحدہ آزاد و خود مختار مملکت چاہتے ہیں۔

آج جب ہم 23 مارچ کی یاد مناتے ہیں تو یہ محض ماضی کا جشن نہیں بلکہ حال کا احتساب اور مستقبل کا عہد بھی ہے۔ قراردادِ لاہور جس مقام پر منظور ہوئی وہ آج مینارِ پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے ایستادہ ہے۔ یہ مینار ہمیں یاد دلاتا ہے کہ قومیں صرف نعروں سے نہیں بلکہ نظریات، قربانیوں اور مسلسل جدوجہد سے وجود میں آتی ہیں۔ 23 مارچ کے دن کا یہ پیغام ہے کہ پاکستان کسی حادثاتی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک منظم فکری تحریک کا ثمر ہے جس کی بنیاد اسلام کے عادلانہ نظامِ حیات پر رکھی گئی۔

اسلامی تعلیمات ہمیں عدل، مساوات، رواداری اور اجتماعی فلاح کا درس دیتی ہیں۔ یہی وہ اصول تھے جنہوں نے تحریکِ پاکستان کو اخلاقی قوت عطا کی۔ اگر ہم اپنی تاریخ کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ مسلمانانِ برصغیر نے ایک ایسے وطن کا خواب دیکھا تھا جہاں قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں معاشرہ تشکیل پائے، جہاں ہر شہری کو مذہبی آزادی حاصل ہو اور جہاں اقلیتوں کے حقوق کا مکمل تحفظ ہو۔ یہی وہ تصورِ پاکستان تھا جس نے لاکھوں انسانوں کو قربانی پر آمادہ کیا۔

یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ پاکستان کی بنیاد نظریۂ اسلام پر رکھی گئی تھی۔ یہ نظریہ کسی تنگ نظری یا تعصب کا نام نہیں بلکہ انسانیت کی فلاح، عدلِ اجتماعی اور اخلاقی اقدار کے فروغ کا منشور ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم نظریۂ پاکستان کو محض نصابی موضوع نہ سمجھیں بلکہ اسے اپنی عملی زندگی کا حصہ بنائیں۔ تعلیمی اداروں میں کردار سازی، مساجد میں فکری تربیت اور سماجی سطح پر خدمتِ خلق کے عملی نمونے اسی وقت سامنے آئیں گے، جب ہم 23 مارچ کے اصل پیغام کو دل و جان سے قبول کریں گے۔

تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست اعلیٰ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے تحریک پاکستان اور قراردادِ پاکستان کے حقیقی مقاصد کے حصول کے لئے منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے کچھ ایسے اقدامات کئے ہیں جن سے ان مقاصد کے حصول کی طرف سنجیدہ پیش رفت نظر آتی ہے، ان میں لاکھوں بچوں کے لئے سستے اور معیاری سکولوں کا قیام

سر فہرست ہے۔ منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت ملک بھر میں سیکڑوں سکول قائم کئے گئے جہاں بچے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حال ہی میں شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ نے مصطفوی معاشرہ کی تشکیل کے لئے یعنی اسلام کے دیئے گئے راہنما اصولوں کے مطابق سوسائٹی کی تشکیل کے لئے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نظام کو موثر اور ثمر بار بنانے کے لئے ملک بھر میں 25 ہزا سے زائد مراکز علم قائم کرنے کا ویژن دیا ہے۔ الحمدللہ اس ویژن کے تحت اب تک 2 ہزار سے زائد مراکز علم قائم ہو چکے ہیں۔ یہ مراکز علم محلہ کی سطح پر گھروں میں قائم کئے جا رہے ہیں اور اس کے لئے ایک ایسا اسلامی نظریاتی نصاب مرتب کیا گیا ہے جسے پڑھ کر ایک عام آدمی اپنے حقوق و فرائض کو بہتر طریقے سے انجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنی ایمانی، قومی و ملی زندگی کو زیادہ فعال اور موثر بنا سکتا ہے۔ مراکز علم کی اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے باقاعدہ ایک ڈیپارٹمنٹ قائم کیا گیا ہے جو مراکزِ علم قائم کرنے کے ضمن میں عوامی شعور بیدار کر رہا ہے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان اس وقت لاتعداد چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں معاشی مشکلات، سیاسی عدم استحکام، اخلاقی انحطاط اور سماجی تقسیم نمایاں ہیں۔ ان مسائل کا حل صرف وقتی اقدامات سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے ایک جامع فکری و اخلاقی اصلاح اور اقدامات کی ضرورت ہے۔ مذہبی و سماجی تنظیموں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کو مایوسی سے نکال کر امید، اتحاد اور عملی جدوجہد کی طرف مائل کریں۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل اسی وژن کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت میں مصروف ہے کہ معاشرے میں علم، امن اور محبت کو فروغ دیا جائے۔

23 مارچ کا دن ہمیں اتحاد کی قوت کا بھی احساس دلاتا ہے۔ جب مسلمانانِ برصغیر نے اپنے سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا فیصلہ کیا تو ایک نئی تاریخ رقم ہوئی۔ آج بھی اگر ہم ذاتی مفادات اور گروہی تعصبات سے بالاتر ہو کر قومی مفاد کو ترجیح دیں تو پاکستان کو درپیش مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اتحاد کا مطلب یکسانیت نہیں بلکہ اختلافِ رائے کے باوجود مشترکہ قومی مقاصد کے لیے یکجا ہونا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں وطن سے محبت کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ پاکستان ہماری شناخت، ہماری امید اور ہماری ذمہ داری ہے۔ 23 مارچ ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ وطن کی تعمیر محض حکومت کا کام نہیں بلکہ ہر شہری کی ذمہ داری ہے۔ نوجوان نسل کو چاہیے کہ وہ تعلیم، تحقیق اور کردار کی پختگی کے ذریعے ملک کی ترقی میں حصہ ڈالے۔ اساتذہ اپنے شاگردوں میں حب الوطنی

اور اخلاقی اقدار کو اجاگر کریں، علماء کرام مساجد و مدارس میں اتحاد و اخوت کا پیغام عام کریں، اور اہلِ قلم اپنی تحریروں کے ذریعے مثبت فکر کو فروغ دیں۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل کا مؤقف واضح ہے کہ پاکستان کا مستقبل تعلیم اور اخلاقی تربیت سے وابستہ ہے۔ اگر ہم نئی نسل کو صرف ڈگریاں دیں لیکن کردار نہ دیں تو ہم اپنے مقصد سے دور ہو جائیں گے۔ 23 مارچ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ قیامِ پاکستان ایک نظریاتی جدوجہد کا نتیجہ تھا اور نظریات کی حفاظت صرف علم اور شعور سے ممکن ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم نوجوانوں کو تاریخ سے جوڑیں، انہیں تحریکِ پاکستان کے رہنماؤں کی قربانیوں سے آگاہ کریں اور ان میں قومی غیرت اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کریں۔

اس موقع پر ہمیں یہ بھی سوچنا ہو گا کہ کیا ہم نے پاکستان کو وہ مقام دلایا جس کا خواب دیکھا گیا تھا؟ کیا ہمارا معاشرہ عدل و انصاف کا نمونہ بن سکا؟ کیا ہم نے کرپشن، ناانصافی اور بدعنوانی جیسے امراض پر قابو پالیا؟ یہ سوالات ہمارے اجتماعی ضمیر کو جھنجھوڑتے ہیں۔ 23 مارچ صرف جشن کا دن نہیں بلکہ احتساب کا دن بھی ہے۔ ہمیں اپنے طرزِ عمل اور اپنی ترجیحات کا از سرِ نو جائزہ لینا ہو گا۔

پاکستان کو درپیش چیلنجز کے باوجود امید کی کرنیں بھی موجود ہیں۔ نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، ٹیکنالوجی کا فروغ، عالمی سطح پر پاکستانیوں کی کامیابیاں اور فلاحی سرگرمیوں میں اضافہ اس بات کی علامت ہیں کہ قوم میں صلاحیت کی کمی نہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس صلاحیت کو مثبت سمت دی جائے اور اسے قومی تعمیر کے لیے استعمال کیا جائے۔

23 مارچ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ جب قوم اپنے مقصد پر یکسو ہو جائے تو ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے۔ تحریکِ پاکستان کی قیادت نے محدود وسائل کے باوجود ایک عظیم مقصد حاصل کیا۔ آج ہمارے پاس وسائل بھی ہیں اور مواقع بھی، اگر ہم عزم و اخلاص کے ساتھ کام کریں تو پاکستان کو ترقی، استحکام اور خوشحالی کی راہ پر گامزن کیا جا سکتا ہے۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل اس موقع پر پوری قوم کو دعوت دیتی ہے کہ وہ 23 مارچ کے پیغام کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں زندہ کریں۔ ہم سب مل کر عہد کریں کہ ہم پاکستان میں علم و امن اور اسلاف کی اخلاقی اقدار کا احیاء کریں گے۔ ہم فرقہ واریت، لسانیت اور نفرت کے رجحانات کو مسترد کریں گے اور باہمی احترام اور رواداری کو فروغ دیں گے۔ ہم آئین و قانون کی پاسداری، دیانت داری اور خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنائیں گے۔

(چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی)

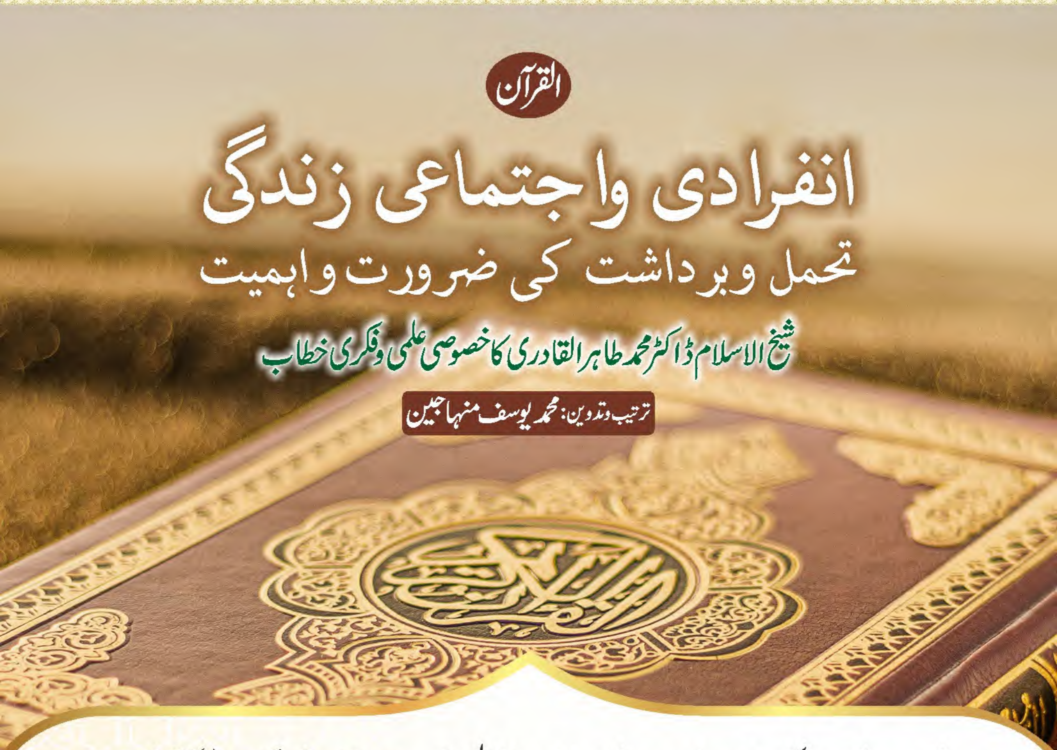

القرآن

انفرادی واجتماعی زندگی

تحمل وبرداشت کی ضرورت واہمیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی علمی وفکری خطاب

ترتیب وتدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ رب العزت کی صفات میں سے ایک صفت "حلیم" ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے اوصاف میں سے بھی ایک وصف "حلیم" ہے۔ اس صفت کو اپنے رویوں اور مزاج میں پیدا کرنا اشد ضروری ہے تاکہ ہماری زندگی اطمینان وسکون کے قالب میں ڈھل سکے۔ آیئے حلم کے لغوی واصطلاحی معانی سے آگاہی حاصل کریں اور پھر ان کی روشنی میں اپنی زندگی کو سنوارنے کی طرف متوجہ ہوں:

۱۔ حلم (بردباری) کا لغوی معنی جلد بازی کو ترک کردینا ہے۔ یعنی انسان عجلت پسندی کو چھوڑ دے۔

۲۔ اہلِ لغت کے ہاں حلم کا لفظ غصہ اور غضب کے برعکس معنی میں استعمال ہوتا ہے؛ یعنی اگر طبیعت میں حلم ہے تو غصہ نہیں ہوگا اور اگر غصہ ہے تو پھر حلم نہیں ہوگا۔

۳۔ ائمہ لغت نے حلم کو عقلمندی کے معنی میں بھی بیان کیا ہے اور یہ بے وقوفی کے برعکس صفت ہے۔

۴۔ اس کا ایک معنی کمالِ صبر بھی ہے؛ یعنی صبر اپنے اس آخری نقطہ تک پہنچ جائے جہاں غصہ اور غضب کے پائے جانے کی مجال ہی نہ رہے۔

۵۔ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی غلطی کی بنا پر مستحقِ سزا ہو، تو اس کی سزا کو حلم کی بنا پر مؤخر کردیا جائے۔

۶۔ حلم کا ایک خاص معنی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ایسے عوامل اور اسباب پیدا ہوں جن میں انسان کو طبعی طور پر غصہ آتا ہے تو ان عوامل کے ہوتے ہوئے بھی طبیعت میں غصہ کو متحرک نہ ہونے دینا۔

مثلاً: کوئی ہمیں گالی دیتا ہے، زیادتی کرتا ہے، حق تلفی یا ناانصافی کرتا ہے، پس ان مواقع پر بھی انسانی جبلت میں موجود قوتِ غضب کو متحرک نہ ہونے دینا حلم کہلاتا ہے۔ گویا ایسا ضبطِ نفس اور ایسا ضبطِ طبیعت پایا جانا کہ غصہ کے اسباب تو موجود ہوں مگر غصہ پیدا نہ ہو۔ اس کیفیت کو حلم کہتے ہیں۔

۷۔ حلم کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے پاس کسی زیادتی کرنے والے سے انتقام لینے کی پوری قوت اور استطاعت ہو مگر اس کی برداشت اتنی زیادہ ہو کہ وہ انتقام نہ لے۔

۸۔ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ غضب، ناراضگی اور غصہ کے وقت میں بھی دل کا مطمئن رہنا؛ یعنی طمانیتِ قلب برقرار رہے، سکونِ قلب ترک نہ ہو اور انسان وقار کی حالت میں رہے۔

اس میں ثبات اور استقامت رہے، طبیعت متزلزل نہ ہو اور وہ عجلت میں کوئی ایسی بات نہ کہے، کوئی ایسا کام نہ کرے اور نہ ہی انتقام لے۔ اگر یہ پختگی طبیعت میں آجائے تو اس کیفیت کو حلم کہتے ہیں۔

تحمل و برداشت: قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید میں متقین کی تعریف بیان کرتے ہوئے ان کی سب سے پہلے صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ تنگی اور فراخی، ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر ان متقین کی صفات کو مزید ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (آل عمران، ۳: ۱۳۴)

”اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ پہلا درجہ یہ بیان کیا گیا کہ وہ غصے کو پی جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غصہ آتا ہے، تبھی تو اسے ضبط کرتے اور پی جاتے ہیں۔ "کظمِ غیظ" ایک ایسا درجہ ہے جس میں غصہ دلانے والے عوامل (Factors) اور اسباب موجود ہوتے ہیں، ماحول اور صورتحال ایسی ہوتی ہے کہ انسان کو غصہ آجاتا ہے، مگر قبل اس کے کہ اس غصے کا اظہار زبان یا فعل سے ہو، وہ اسے پی جاتے ہیں اور ضبط کر لیتے ہیں۔ گویا طبیعت میں غصہ تو پیدا ہوا مگر متقین نے اپنی تربیت اس نہج پر کر رکھی ہے کہ اس غصہ کو قابو کر لیتے ہیں۔

۲۔ اس کے بعد اس سے اوپر کا درجہ بیان فرمایا کہ غصہ کو ضبط کر لینا ہی آخری کمال نہیں، بلکہ اس کے بعد عین ممکن ہے کہ غصہ ضبط تو کر لیں (یعنی تلخ بات نہ کریں، انتقام نہ لیں اور برائی کا جواب برائی

سے نہ دیں) لیکن اندر ایک ہیجان موجود ہو۔ پس غصہ کو پی جانے سے اونچا درجہ یہ ہے کہ جس نے غصہ دلایا یا تکلیف دی، اسے معاف کر دیا جائے۔ جب انسان معاف کر دیتا ہے تو معافی کا مطلب یہ ہے کہ اس زیادتی کے اثرات بھی دل سے مٹ گئے اور طبیعت میں وہ ہیجان اور اضطراب باقی نہ رہا کہ غصہ دوبارہ جگہ پا سکے۔ گویا وہ لوگ جو غصہ پی جاتے ہیں، وہ نچلا درجہ ہے، مگر ان سے زیادہ باکمال وہ ہیں جو معاف بھی کر دیتے ہیں۔

۳۔ پھر فرمایا کہ اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ یہ متقین کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ یعنی یہ لوگ نہ صرف معاف کر دیتے ہیں بلکہ جس نے ظلم کیا، حق تلفی کی اور ناروا سلوک کیا، اس کے ساتھ نیکی و احسان کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس آخری درجہ پر فائز لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔

"کظمِ غیظ" (غصہ پینے) کی ضرورت اس وقت تک پیش نہیں آتی جب تک غصے کی کیفیت اندر پیدا نہ ہو۔ اگر غصہ پیدا ہوا اور طبیعت میں تپش آئی تو اسے ضبط کرنا مجاہدہ اور ریاضت سے ممکن ہوتا ہے۔ مگر حلم یہ ہے کہ ایسی صورتحال میں غصہ طبیعت میں پیدا ہی نہ ہو۔ انسان اپنی طبیعت میں اتنی بردباری پیدا کر لے کہ جن حالات میں غصہ آنا چاہیے، ان میں بھی غصہ پیدا نہ ہو۔ اگر طبیعت اور مزاج کا ضبط اس مقام پر پہنچ جائے تو پھر اسے کظمِ غیظ کی مشقت نہیں کرنی پڑتی، بلکہ وہ بلا کوشش ٹھنڈک اور سکون میں رہتا ہے۔ جب طبیعت میں اتنا تحمل، بردباری اور طمانیت آ جائے تو اسے "حلم" کا نام دیا جاتا ہے۔

حلم کا یہ درجہ بعض اوقات محنت، ریاضت اور مجاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، لیکن اللہ کی شان ہے کہ وہ بعض ہستیوں کو پیدا ہی "نفسِ مطمئنہ" پر کرتا ہے اور انہیں پیدائشی طور پر حلیم بنا دیتا ہے۔

☆ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ۔ (هود، ۱۱: ۷۵)

بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے متحمل مزاج، آہ و زاری کرنے والے، ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔

گویا اللہ نے انہیں حلیم الطبع پیدا کیا تھا۔

☆ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ رب العزت نے بشارت دی اور اس لفظ کو استعمال کرتے ہوئے فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔ (الصافات: ۱۰۱)

”پس ہم نے انہیں بڑے بُردبار بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی۔“

یعنی پیدائش سے پہلے ہی یہ بشارت دے دی گئی کہ جو بیٹا پیدا ہو گا وہ صاحبِ حلم اور بردبار ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کسی کو حلیم الطبع پیدا کرے تو وہ نفسِ مطمئنہ کے ساتھ آتا ہے اور اسے زیادہ ریاضت نہیں کرنی پڑتی لیکن جو حلیم الطبع پیدا نہیں ہوا، وہ مشقت، تربیت، تجربہ اور مسلسل جدوجہد (Struggle) سے رفتہ رفتہ غصے کو دباتا ہے اور غصہ پیتے پیتے اپنی طبیعت کو اس کا ایسا عادی بنا دیتا ہے کہ غصہ پیدا ہونا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہی مقامِ حلم ہے جہاں قوتِ غضب ٹوٹ کر عقل کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔

عام لوگوں کے لیے اس کا آغاز "**تحلم**" سے ہوتا ہے اور پھر وہ حلم تک پہنچتے ہیں۔ جیسے حصولِ علم کے لیے ابتدا "**تعلم**" سے ہوتی ہے؛ آدمی پڑھتا ہے، سنتا ہے، مطالعہ کرتا ہے، سفر کرتا ہے اور درجہ بدرجہ صاحبِ علم ہو جاتا ہے، اسی طرح بردباری سیکھنے کے لیے انسان صحبتوں میں بیٹھتا ہے، ریاضت کرتا ہے، ضبطِ نفس کرتا ہے اور اپنی طبیعت کی تبدیلیوں کا جائزہ لیتا ہے۔ اس مشقت کے نتیجے میں اس کا "**تحلم**" حلم میں بدل جاتا ہے۔

☆ اللہ رب العزت نے اپنی صفات میں بھی حلم کا ذکر فرمایا ہے۔ سورہ الحج میں حلم کو علم کے ساتھ جوڑا اور ارشاد فرمایا:

وَاِنَّ اللهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ۔ (الحج، ۲۲: ۵۹)

”اور بے شک اللہ خوب جاننے والا بردبار ہے۔“

☆ اللہ نے شکر کو حلم کے ساتھ جوڑا اور ارشاد فرمایا:

وَاللهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ (التغابن، ۶۴: ۱۷)

”اور اللہ بڑا قدر شناس ہے بُردبار ہے“۔

☆ سورۃ البقرہ میں حلم کو مغفرت کے ساتھ جوڑا اور ارشاد فرمایا:

وَاللهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ (البقرہ، ۲: ۲۲۵)

”اور اللہ بڑا بخشنے والا بہت حلم والا ہے۔“

حلم کو معافی کے ساتھ جوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے معاف کر دیا تو گویا نامہ اعمال سے گناہ یا سزا کو اس طرح مٹا دیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اللہ رب العزت کا اپنی صفات میں حلم کو علم، شکر اور مغفرت کے ساتھ جوڑنا اس وصف کی انتہائی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔

حلم اور علم کا باہمی تعلق

یادرکھیں! اگر حلم نہ ہو تو علم بے وقار ہو جاتا ہے۔۔۔اگر حلم نہ ہو تو عمل بے وقار ہو جاتا ہے۔۔۔ اور اگر حلم یعنی بردباری نہ ہو تو انسان کی پوری زندگی اور سیرت بے وقار ہو جاتی ہے۔۔۔ یہاں تک کہ تبلیغ و نصیحت بھی بے کار ہو جاتی ہے۔ جس طرح کسی کے پاس علم ہو مگر عقل نہ ہو، یا وہ بندہ کم عقل ہو تو وہ علم اس کے لیے فائدہ مند نہیں رہتا، کیونکہ اس میں نہ تو علم کی صحیح جہت کو سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور نہ ہی اس علم کو صحیح طریقے سے دوسروں تک پہنچانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اسے یہ ادراک نہیں ہوتا کہ کیا کہنا ہے، کب کہنا ہے اور کس کو کیا کہنا ہے۔۔۔؟ چونکہ عقل نہیں ہے، اس لیے علم کا آلہ ایک ایسے اندھے کے ہاتھ میں ہے جو بے عقل ہے اور وہ اس سے کسی کا سر بھی قلم کر دے گا۔

پس عقل کے بغیر علم اسی طرح بیکار ہے جیسے ایک نابینا شخص کے سامنے سورج کی روشنی چمک رہی ہے مگر وہ روشنی اس کے لیے فائدہ مند نہیں۔ وہ سورج کروڑوں کو راستہ دکھائے گا مگر نابینا شخص اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح جس کے پاس علم ہو، جس نے کتابیں پڑھی ہوں لیکن عقل نہ ہو، تو اس نے گویا علم کو محض اپنے کندھوں پر لاد رکھا ہے۔ اس علم کا اسے کوئی نفع اور فائدہ نہیں ہے۔ عقل کے بغیر علم تباہی لاتا ہے۔

ہم کثرت کے ساتھ اپنی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے کتابیں پڑھ رکھی ہیں، مدرسے گزار رکھے ہیں اور علم کے نام پر ان کے پاس اوراق کا انبار تو ہے مگر وہ عقلمندی سے محروم ہیں۔ انہیں نہیں معلوم کہ کیا بات کہنی ہے، کس ڈھب سے کہنی ہے اور کس طریقے سے کہنی ہے۔۔۔؟ اِس وقت کی ضرورت کیا ہے۔۔۔؟ ان نسلوں کی حاجت کیا ہے اور قوم کی ضرورت کیا ہے۔۔۔؟ اشکال کیا ہے اور اسے رفع کس طرح کرنا ہے۔۔۔؟ استدلال کیسے کرنا ہے اور اس کا اطلاق کیسے کرنا ہے؟ چونکہ عقل نہیں ہے، اس لیے انھیں علم کا ہتھیار استعمال کرنا بھی نہیں آتا۔ بے عقل کے ہاتھ میں علم ہونا تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

اسی طرح اگر علم ہو اور عمل نہ ہو تو وہ علم بے تاثیر اور بے توقیر ہو جاتا ہے۔۔۔ اگر علم ہو مگر صدق، سچائی اور حسنِ نیت نہ ہو، تو وہ علم محض دکھلاوا اور ریاکاری بن کر رہ جاتا ہے اور بیکار ہو جاتا ہے۔ اگر علم ہو مگر تقویٰ اور خداخوفی نہ ہو، تو وہ علم "فتنہ" بن جاتا ہے۔ اسی علم کے ذریعے لوگ فتنہ اور فساد پھیلاتے ہیں، لوگوں کو آپس میں لڑایا جاتا ہے اور علم ہی کے ذریعے پھوٹ ڈالی جاتی ہے۔ جہالت کے ذریعے پھوٹ اور تفرقہ ڈالنا کم نقصان دہ ہوتا ہے، مگر علم کے ذریعے پھوٹ ڈالنا پوری امت کے

ٹکڑے کر دیتا ہے اور زندگیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ جاہل جو پھوٹ ڈالے گا اس کا ازالہ قدرے آسان ہے، مگر علم کے ذریعے جو پھوٹ ڈالی جائے گی اور تباہی مچائی جائے گی، چونکہ اس میں تقویٰ اور خدا خوفی نہیں ہو گی، اس لیے اس کا ازالہ بڑا مشکل ہے۔

اسی طرح اگر کسی کے پاس علم ہے مگر اس کی طبیعت میں حلم اور بردباری نہیں ہے، تو وہ شخص ہر روز فتویٰ بازی کرے گا، ہر وقت تکفیریت کرے گا، لوگوں کو کافر بنائے گا، کسی کو مشرک ٹھہرائے گا، کسی کو بدعتی کہے گا، کسی کو گمراہ قرار دے گا، کسی کو اسلام سے خارج کرے گا، کسی کو اہل سنت سے خارج کرے گا اور کسی کو مسلم امہ سے ہی نکال دے گا۔ کیونکہ اس کے علم میں حلم اور بردباری نہیں ہے۔ جب حلم اور بردباری نہیں ہوتی تو عقل کا چراغ بجھ جاتا ہے، کیونکہ علم کا نام ہی عقلمندی ہے۔ جہاں عقل مغلوب ہوتی ہے وہاں جہالت قبضہ کر لیتی ہے اور پھر اس سے فساد، بغض اور عناد جنم لیتا ہے۔

حلم کے بغیر علم کا استعمال انتہا پسندی کو جنم دیتا ہے

علم جب حلم کے بغیر استعمال ہوتا ہے تو انتہا پسندی جنم لیتی ہے اور مزاجوں اور رویوں میں اعتدال اور وسعت ختم ہو جاتی ہے۔ اس دور میں سب سے زیادہ مشکل کام لوگوں کو دین کی طرف بلانا اور راہِ اعتدال پر چلانا ہے۔ اول تو لوگ علماء کے رویوں کے باعث دین سے متنفر ہو گئے ہیں، نوجوان نسلوں میں علماء کے رویوں نے دین کی رغبت نہیں چھوڑی بلکہ انہیں بیزار کر دیا ہے۔ اب جو چند لوگ مساجد اور دینی حلقوں میں آتے ہیں، انہیں علم کا دعویٰ رکھنے والوں خواہ وہ مدرسے میں ہو، مسجد کے منبر پر ہو، یوٹیوب پر ہو، الغرض جہاں پر بھی ہوں، جب وہ بغیر حلم اور بردباری کے علم کی بات کرتے ہیں تو وہ اپنی انتہا پسندانہ سوچ، فتویٰ بازی کے ذریعے اپنے سننے والوں کے مزاجوں اور رویوں کو وسعت، اعتدال اور برداشت سے دور کر دیتے ہیں۔ وہ لوگوں کی تذلیل و تکفیر کرتے ہیں اور تشدد پر اکساتے ہیں، نتیجتاً دھڑے بندیاں ہوتی ہیں اور تفرقہ پروری جنم لیتی ہے۔ یہ سب کچھ دراصل علم کے نام پر کاروبار ہے۔ ہم اپنے معاشرے میں جو کچھ دیکھ رہے ہیں، یہ صرف حلم کے فقدان کے سبب ہے۔ یہ ساری بیماریاں اور ہلاکتیں علم کی دنیا میں بھی پائی جاتی ہیں اور جہالت کی دنیا میں بھی۔ اگر اہل دین کے پاس حلم نہیں ہو گا تو علم بھی بدنام ہو گا، دین بھی بدنام ہو گا اور علمائے دین بھی بدنام ہوں گے۔

علمِ نافع؛ تحمل کے بغیر ممکن نہیں

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں سیدنا خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ اس واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام کی شان میں ایک جملہ بیان فرمایا:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (الکهف، ۱۸: ۶۵)

”تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر علیہ السلام) کو پالیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے علمِ لدنی (یعنی اَسرار و معارف کا اِلہامی علم) سکھایا تھا۔“

یعنی انہیں علمِ لدنی دینے سے پہلے رحمت عطا کی گئی تھی۔ ان کے دل میں رحمت، شفقت، نرمی، دوسروں کے ساتھ بھلائی کی سوچ اور نصیحت رکھی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ وہی علم "علمِ لدنی" بن سکتا ہے اور وہی علم "علمِ نافع" بن سکتا ہے جس شخص کی طبیعت میں رحمت، شفقت، نرمی، بردباری، ٹھنڈک اور برداشت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں علم اور رحمت کو جوڑ دیا، گویا دل، طبیعت اور مزاج میں نرمی، رفق اور رحمت کا ہونا حلم ہے؛ اور اس حلم کے ہوتے ہوئے جب علم نصیب ہو اور وہ علم استعمال ہو، تو پھر وہ صحیح معنٰی میں نافع ہے۔ اس کی ضرورت عالم کو بھی ہے، متعلم کو بھی ہے اور ہر شخص کو زندگی میں اس کی ضرورت ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ، وَتَعَلَّمُوا لِلْعِلْمِ السَّكِينَةَ وَالْحِلْمَ۔

”علم حاصل کرو، اور علم کے لیے سکینہ (سکونِ قلب) اور حلم (بردباری) سیکھو۔“ (المعجم الاوسط، للطبرانی، حدیث نمبر: ۶۲۵۱)

آقا علیہ السلام نے علم اور حلم کو جوڑ دیا؛ اگر سکینت، اطمینانِ قلب، بردباری، دھیماپن، ٹھنڈاپن اور نرم روی نہیں ہوگی تو علم سانپ اور اژدھا بن جائے گا۔ گویا اگر حلم سیکھیں گے تو علم خیر کا باعث ہوگا۔

ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا مِنْ جَبَابِرَةِ الْعُلَمَاءِ فَيَغْلِبَ جَهْلُكُمْ عِلْمَكُمْ۔

”اور تم جابر علماء میں سے نہ ہو جانا کہ تمہاری جہالت تمہارے علم پر غالب آجائے۔“ (سنن الدارمی، ۱: ۱۱۶)

اگر تمہاری طبیعتوں میں حلم اور بردباری نہیں ہوگی، بلکہ جلد بازی، عجلت پسندی، فوری غلبہ پانے کا جذبہ، دوسرے کو دبا دینے، رد کرنے، بھگا دینے اور اسے نیچا دکھا کر اس پر چھا جانے کا جذبہ ہوگا، تو تم عالم نہیں رہو گے بلکہ ظالم ہو جاؤ گے۔ تم جبر کرو گے اور پھر تمہاری جہالت تمہارے حلم اور بردباری پر چھا جائے گی اور علم مغلوب ہو جائے گا۔

☆ اسی لیے آقا علیہ الصلوۃ والسلام یہ دعا کیا کرتے تھے:

اللّٰھُمَّ أَغْنِنِی بِالْعِلْمِ، وَزَیِّنِّی بِالْحِلْمِ، وَأَکْرِمْنِی بِالتَّقْوٰی، وَجَمِّلْنِی بِالْعَافِیَۃِ۔(مسند الفردوس، دیلمی، حدیث نمبر:۱۲۵۱)

’’اے اللہ! مجھے علم کے ذریعے (دنیا سے) غنی کردے، مجھے حلم کے ذریعے زینت عطا فرما، تقویٰ کے ذریعے مجھے بزرگی دے اور عافیت کے ذریعے مجھے جمال عطا فرما۔‘‘

یعنی مجھے اتنا علم دے جو خیر اور نفع پر مبنی ہو تاکہ میں کسی کا محتاج نہ رہوں اور طبیعت میں غنا آجائے۔ گویا علم ایک ایسی دولت ہے کہ بندہ اس سے غنی ہو جاتا ہے اور اسے دوسری دولت کی محتاجی نہیں رہتی۔

☆ سیدنا مولا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر مسلمان شخص حلم سیکھ لے اور اپنے اندر بردباری پیدا کرلے، تو اس کا درجہ ایسا ہو جائے گا جیسے اس نے ساری زندگی راتوں کو قیام کیا اور سارے دن روزے رکھے۔

گویا وہ پوری زندگی صائم و قائم رہا؛ اس نے زندگی کی تمام راتیں مصلیٰ پر اللہ کی عبادت، قیام اور سجود میں گزاریں اور تمام دن روزے کے ساتھ گزارے۔ علم اور علمی برداشت انسان کو اتنا بلند درجہ دیتی ہے کہ اس سے بندے کا مزاج (Mood) اور طبیعت تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس میں سختی (Roughness) نہیں رہتی بلکہ نرمی آجاتی ہے اور یہی نرمی انسان کو مزین کرتی ہے۔

اہلِ حلم ہی کو علماء ربانیین اور اہلِ فضل کہا گیا ہے

اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔(آل عمران، ۳: ۷۹)

’’بلکہ (وہ تو یہ کہے گا) تم اللہ والے بن جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے بھی ہو۔‘‘

ائمہ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ وہ علماء جو حلم اور بردباری رکھنے والے ہوں، ایسے علماء کو اللہ پاک "علماء ربانیین" کہتا ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت میں بیان فرمایا کہ اگر لوگ ان کے ساتھ جہالت کا سلوک کریں، کوئی ناروا سلوک کریں، کوئی ناشائستہ بات ان سے کردیں، یا ان کے متعلق کوئی نامناسب رویہ اختیار کریں، تو وہ اس کے جواب میں اپنی جہالت کو غالب نہیں آنے دیتے بلکہ وہ علم سے کام لیتے ہیں، وہ بردباری اور کمال درجے کی برداشت سے کام لیتے ہیں۔

ان لوگوں کے بارے میں آقا علیہ السلام نے فرمایا:

جب قیامت کے دن محشر کا وقت ہوگا، تو حساب و کتاب سے پہلے عرش سے ایک ندا آئے گی کہ "اہلِ فضل کہاں ہیں؟" یعنی وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جو اہل فضیلت اور بزرگی والے لوگ ہیں۔ قلیل تعداد میں کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ حکم ہوگا: "الجنۃ!" یعنی تیزی سے جنت میں چلے جاؤ۔ گویا ان کا حساب و کتاب ہی نہیں ہوگا۔

راستے میں انہیں ملائکہ ملیں گے اور وہ ان سے پوچھیں گے کہ آپ لوگ اتنی تیزی سے سیدھا جنت میں جا رہے ہیں، کیا آپ سے کوئی حساب و کتاب نہیں ہوا؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اہلِ فضل ہیں۔ ملائکہ پوچھیں گے کہ وہ فضل کیا ہے جو اللہ نے آپ پر کیا ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ وہ فضل اللہ نے آج (قیامت میں) نہیں بلکہ دنیا میں ہی کر دیا تھا۔ اس نے ہماری طبیعتوں اور مزاجوں کو ایسا بنا دیا تھا کہ جب کوئی ہم سے زیادتی کرتا تھا تو ہم صبر کرتے تھے، جب کوئی ہمیں اذیت دیتا تھا تو ہم اس کو معاف کر دیتے تھے، اگر کوئی ہمارے ساتھ درشتی، بدتمیزی اور ناشائستگی سے پیش آتا تھا تو ہم اس کے مقابلے میں بردباری اختیار کرتے تھے۔ ہم برا رد عمل نہیں دیتے تھے۔ پس اللہ نے ہماری سیرتوں اور ہماری طبیعتوں کو ایسا بنا دیا اور آج اسی کی جزا میں قیامت کے دن ہمیں بغیر حساب و کتاب کے جنت میں بھیج دیا گیا۔

علم کو حلم سے مزین کرنا عین بھلائی ہے

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

اے انسان! عین بھلائی یہ نہیں ہے کہ تیری زندگی میں مال بڑھ جائے، تیری اولاد بڑھ جائے، تیری طاقت بڑھ جائے، تیرا جاہ و حشم بڑھ جائے، تیری قوت و سلطنت بڑھ جائے بلکہ خیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے علم کی بہت زیادہ دولت عطا کر دے اور تمہارے علم کو حلم سے مزین کر دے۔ گویا علم ہماری زندگی میں بردباری کا حصہ بڑھا دے۔

☆ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک اور ارشادِ گرامی ہے کہ علم حاصل کرو مگر اپنے علم کو وقار، تمکنت اور بردباری کے ساتھ مزین کرو۔

☆ سیدنا امام حسن بن علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حلم اور بردباری یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میرے ایک کان میں مجھے گالی دے اور ساتھ ہی دوسرے کان میں مجھ سے معذرت کر لے تو میں اسی وقت اس کی معذرت کو قبول کر لوں گا۔ یعنی میں اس کی گالی پر اپنی طبیعت میں غصہ اور انتقام کی آگ بھڑکنے ہی نہیں دوں گا اور غصہ کو اپنے اندر داخل ہی نہیں ہونے دوں گا۔ اس کیفیت کا نام حلم ہے۔

طبیعت میں حلم کا ہونا پیغمبرانہ رویہ ہے

جب طبیعتوں میں اللہ تعالیٰ حلم اور بردباری پیدا کر دیتا ہے تو انسان کے رویے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ پیغمبرانہ رویے ہیں۔ آپ جس پیغمبر کی بھی سیرت کا مطالعہ کر لیں، ہر ایک میں یہ رنگ غالب نظر آئے گا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک روز کہیں سے گزر رہے تھے تو وہاں موجود کچھ یہود نے آپ کو برا بھلا کہا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں انہیں اچھائی اور بھلائی کی بات کہی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ انہوں نے تو آپ کو اتنا برا بھلا کہا ہے اور آپ نے جواب میں اتنی اچھائی کی بات کی ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''ہر شخص وہی کچھ خرچ کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے، اُن کے پاس برائی تھی، انھوں نے اسے استعمال کیا اور میرے پاس بھلائی تھی، میں نے اُسے خرچ کیا۔''

گویا جس کے پاس برائی ہے، وہ دوسرے کی برائی ہی بیان کرے گا۔۔۔ جس کے من میں گالیاں بھری ہیں، وہ دوسرے کو گالی ہی دے گا۔۔۔ جس کے من میں غصہ ہے، وہ دوسرے پر غصہ ہی نکالے گا۔۔۔ جس کے من میں غیبت، چغلی اور خصالِ مذمومہ (بری عادتیں) ہیں، اس کی زبان سے بھی بری باتیں ہی نکلیں گی اور اس کے فعل سے بھی بری باتیں ہی ظاہر ہوں گی۔ اگر اللہ نے کسی کے اندر خیر کا چشمہ کھول دیا ہے، کسی کے اندر بھلائی کا خزانہ رکھ دیا ہے تو اس کے پاس نیکی، بھلائی، عمدگی، اچھائی، احسان ہی ہے اور وہ خرچ بھی نیکی اور بھلائی ہی کرے گا۔

☆ امام مالک فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک روز کہیں سے گزرے تو راستے میں ایک خنزیر بیٹھا ہوا تھا جس کے سبب راستہ بند تھا اور وہاں سے گزرنا مشکل تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس خنزیر سے کہا: راستہ چھوڑ دو، تیرا بھلا ہو۔ آپ کے ساتھ موجود آپ کے ساتھیوں نے پوچھا کہ "تیری خیر ہو" کیا یہ بات آپ نے ایک خنزیر کو کہی ہے؟ آپ نے فرمایا: بلاشبہ وہ خنزیر ہے، اگر میں اُسے برے الفاظ کہتا تو میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں میری زبان کو برے انداز سے گفتگو کرنے کی عادت نہ پڑ جائے۔ میں تو ہر ایک سے بھلائی کے ساتھ بات کرتا ہوں، لہٰذا میں اس خنزیر کی خاطر اپنی زبان کی عادت کو بگاڑنا نہیں چاہتا۔

ہماری معاشرتی زندگی میں تحمل و برداشت کا فقدان

اس واقعہ کے تناظر میں ہمیں سوچنا ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔۔۔؟ آج اہلِ دین، علمائے دین اور دین کے مبلغین کہاں کھڑے ہیں۔۔۔؟ کیا مسجد کے منبر و محراب سے اس حلم اور بردباری کی بات ہوتی ہے۔۔۔؟ ہم تو بغیر کسی تحقیق کے دوسرے پر چڑھ دوڑتے ہیں، فوراً فتویٰ لگاتے ہیں اور ایک

ہنگامہ خیزی کر دیتے ہیں۔ آج دین اور مذہب محض ہنگامہ خیزی کا نام بن کر رہ گیا ہے اور اہل دین کے لیے وقار اور قدر و منزلت بالکل شجرِ ممنوعہ بن گئی ہے۔ جب اہلِ دین اور علماء دین کو اس انداز سے پیش کیا، ایک دوسرے کو للکارا، ایک دوسرے کی برائی کی، ایک دوسرے پر فتویٰ بازی کی، ایک دوسرے کو گمراہ ٹھہرایا، بے ایمان ٹھہرایا، اسلام سے خارج کیا اور برے القاب اور غصہ سے یاد کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب دین پھیلانے والے لوگ نوجوان نسل کے لیے محض ایک Entertainment Item (تفریح کا سامان) بن کر رہ گئے ہیں۔

نتیجتاً لوگ انہیں صرف Entertainment کے لیے سنتے ہیں، ان پر ہنسنے کے لیے یا بطور لطیفہ انہیں سنتے ہیں۔ پھر ان کا یہ رویہ دیکھ کر دین سے ہی متنفر ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک باقاعدہ بین الاقوامی ایجنڈا ہے، اس ایجنڈے پر لوگوں کو دانستہ یا نادانستہ طور پر لگایا گیا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ دین اور مذہب کے نام پر ایسے رویے پیش کرو ایسے "نان ایشوز" (Non-issues) کو ایشوز بناؤ اور ایک دوسرے کے خلاف اس طرح بولو اور بھڑ کو کہ تمہارے اس رویے سے لوگ دین سے بیزار ہو جائیں۔

یاد رکھیں! جو لوگ دین کے علمبردار کہلاتے ہیں، جو دین کی تبلیغ کرتے ہیں، خواہ وہ یوٹیوب پر ہوں، فیس بک پر ہوں، منبر و محراب پر ہوں یا جلسوں میں ہوں جو رویہ ان کا ہوتا ہے، عام لوگ اسی رویے کو "دین" کا رویہ سمجھتے ہیں۔ وہ اسے صرف ان علمائے دین کا ذاتی فعل نہیں سمجھتے بلکہ اسے دین کی تصویر سمجھتے ہیں۔ وہ تمام لوگ جو رہبری کے منصب پر فائز ہیں، اللہ تعالیٰ نے جنہیں لوگوں کی رہنمائی کا منصب دیا ہے، جن کی زبان سے دین کا کلمہ ادا ہوتا ہے، جو دین کی اشاعت و تبلیغ کرتے ہیں، لوگ جن سے دین سیکھتے ہیں یا سیکھنے کی امید رکھتے ہیں اور وہ ایک نمونہ سمجھے جاتے ہیں؛ جب ان کا رویہ حلم اور بردباری سے خالی ہو گا، جب ان کے رویے میں غصہ، نفرت، انتہا پسندی اور تکفیریت ہو گی تو نوجوان نسل دین کی طرف قطعاً راغب نہیں ہو گی۔

جب تک دین کی تبلیغ کرنے والے لوگ جو دوسرے کو دوزخ میں نہ پہنچا دیں، انہیں سکون نہیں ملتا، جب تک وہ دوسرے پر جنت کا دروازہ بند نہ کر دیں، تب تک ان کی طبیعت کو سکون نہیں آتا، ایسے لوگوں کے طرزِ عمل اور رویوں سے نوجوان نسل کو کیا پیغام جائے گا؟ کیا وہ دین کی طرف راغب ہوں گے۔۔۔؟ کیا وہ مسجدوں میں آئیں گے۔۔۔؟ کیا وہ دینی حلقوں میں آئیں گے یا اپنی زندگی میں دین اپنائیں گے۔۔۔؟ ہر گز نہیں۔ وہ تو یہی سمجھیں گے کہ دین اسی لڑائی جھگڑا اور تفرقہ کا نام ہے۔ دین کی دشمن قوتیں عالمی سطح پر دین کا یہی نقشہ چاہتی ہیں۔ اسی لیے انتہا پسند اور دہشت گرد پیدا کیے جاتے ہیں، انہیں وسائل مہیا کیے جاتے ہیں، انہیں اسلحہ دیا جاتا ہے، ان کی باقاعدہ Mind setting اور

Brain washing کی جاتی ہے اور انہیں تیار کر کے ان سے یہ کام لیے جاتے ہیں۔ تاکہ دین بدنام ہو، قرآن بدنام ہو، سنتِ نبوی ﷺ بدنام ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا وقار کے ساتھ نام لینے والا کوئی نہ رہے اور دین خود بخود ان غلط اقدار (Values) کی وجہ سے کمزور ہوتا چلا جائے۔

جو کام دشمنانِ دین ظاہراً نہیں کر سکتے، وہ ان نام نہاد اہل دین، نمائندگانِ دین اور رہبرانِ دین کے ہاتھوں سے لیا جاتا ہے۔ وہ دین کے نمائندے بن کر سامنے آتے ہیں اور پھر ایسے رویے اختیار کرتے ہیں جنہیں نوجوان نسل دیکھتی ہے۔ پھر وہ لوگ جوان ویڈیوز کو پھیلاتے ہیں، انہیں اس بات سے کوئی غرض اور سروکار نہیں کہ دین کا وقار مجروح ہو رہا ہے، نوجوان نسل دین سے متنفر ہو رہی ہے، دین کا چہرہ مسخ ہو رہا ہے بلکہ انہیں صرف اس بات سے غرض ہے کہ انہیں یوٹیوب سے ڈالرز آ رہے ہیں، ان کے Views بڑھ رہے ہیں اور ان کے یوٹیوب اور فیس بک چینل بہت زیادہ چل رہے ہیں۔ پس جب ڈالرز کے عوض دین کو اس طرح پیش کیا جائے گا تو امت کو اور اگلی نسلوں کو سیرتِ نبوی ﷺ اور تعلیماتِ قرآنی کا کیا نقشہ ملے گا؟ اس کا ہم میں سے ہر کوئی بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔

حلم و بردباری: پیغامِ سیرت نبوی ﷺ

انسان کی اپنی طبیعت اور مزاج میں حلم، بردباری، نرمی، برداشت، خیر، تحمل، احسان، تواضع اور انکساری جیسی خوبیاں پیدا کرنا اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں رحمت، برکت، وسعت اور برداشت کا رویہ رکھنا؛ یہ صرف اس بندہ کے لیے یا دوسرے کے لیے ہی بہتر نہیں ہے، بلکہ یہ دینِ مبین کے لیے بہتر ہے اور آقا علیہ السلام کی امت کے لیے خیر کا باعث ہے۔ وہ تمام کارکنان، مبلغین اور علماء، خواہ ان کا تعلق منہاج القرآن سے ہو یا وہ دیگر کسی بھی جماعت سے وابستہ ہوں، ان پر یہ لازم و واجب ہے کہ وہ دین کی بات یا علم کا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نکالنے سے پہلے اپنے باطن کا جائزہ لیں کہ ان کے اندر کتنا حلم اور کتنی بردباری موجود ہے۔ چونکہ جو کچھ انسان کے اندر ہوتا ہے، وہی اس کی زبان پر آتا ہے اور وہی رویہ معاشرے میں دین کا نقشہ پیش کرتا ہے۔

آقا علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ سے ہمیں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جو تحمل و بردباری کے عکاس ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ایمان کو تازگی ملتی ہے اور علم و بردباری کی اصل حقیقت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پوری انسانیت میں سب سے بڑھ کر صاحبِ حلم اور بردبار تھے، سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے، اور سب سے زیادہ غصے کو دبانے والے تھے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آقا علیہ السلام نے اشج بن عبدالقیس سے فرمایا:

إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ: الْحِلْمُ، وَالْأَنَاةُ۔

”تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے: ایک حلم (بردباری) اور دوسری اناۃ (وقار، دانائی اور ثابت قدمی)۔“ (صحیح مسلم، رقم: ۱۷)

یعنی جلد بازی اور عجلت پسندی سے گریز کرنا اللہ کو محبوب ہے۔ مسند احمد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ آقا علیہ السلام نے ان کا ایک وصف حلم و بردباری اور دوسرا "حیا اور لحاظ داری" بیان فرمایا۔ اب ہم اپنی زندگیوں میں خود سوچیں کہ کیا ہمارے اندر حیا اور لحاظ نام کی کوئی شے باقی بچی ہے؟ کسی نے اگر ہمارے ساتھ زندگی میں ایک بار بھی نیکی کی ہو اور اس کے بعد وہ ننانوے کام شر کے بھی کرے، تب بھی اس کی اس ایک نیکی کو یاد رکھنا اور اس کا لحاظ کرنا "حلم" ہے۔ اسی لیے تو علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی ایک شخص میں کفر کے 99 اسباب پائے جائیں اور صرف ایک سبب اس کے ایمان پر دلالت کرتا ہو، تو اس 99 کو چھوڑ دو اور اس ایک سبب کو قبول کرتے ہوئے اسے کافر نہ ٹھہراؤ۔ یہ دین کا اپنا مزاج اور حلم کا وہ درجہ ہے جو ہمیں سکھایا گیا ہے۔

☆ ایک موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

☆ ”تم لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، لوگوں کو مشکلات میں ڈالنے والے نہیں۔“

آقا ﷺ کے اس فرمان سے اہل دین، علمائے دین، مبلغین اور دین کا پرچار کرنے والوں کے لیے یہ پیغام ہے کہ وہ دین کو آسان بنا کر امت کے سامنے پیش کریں۔ خاص طور پر اس ماحول میں جہاں پوری دنیا سے دین و ایمان پر فکری، نظریاتی، اقتصادی، سیاسی، معاشی، فلسفیانہ، علمی اور اخلاقی حملے ہو رہے ہیں اور ہر لحہ انسان کا ایمان چھیننے والے موجود ہیں، ایسے وقت میں اگر دین کو تنگی والا مذہب بنا کر پیش کریں گے، اسے مشکلات سے بھرا ہوا دین دکھائیں گے، اس میں نفرت اور حقارت بھر دیں گے اور ایک دوسرے کے خلاف بدمزگی اور ناشائستگی کا منظر پیش کریں گے تو باہر سے تو ایمان پر حملہ پہلے ہی ہو رہا ہے، ان تبلیغی رویوں سے بھی ایمان پر حملہ ہو گیا تو پھر کچھ محفوظ نہ رہے گا۔

لہذا قرآن مجید کی تعلیمات اور آقا ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا حلم اپنایئے، اس کے بغیر کوئی نیکی اور کوئی عمل کام آنے والا نہیں۔ اگر ہم اپنی طبیعتوں میں حلم، نرمی، رواداری، برداشت اور تواضع پیدا کر لیں اور جلد بازی کو چھوڑ دیں تو ہمارے ظاہر و باطن میں خیر کے دروازے کھل جائیں گے۔

آپ کے فقہی مسائل

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن زیرنگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: تقسیم وراثت کے ضمن میں اسلام کا وضع کردہ نظام کیا ہے؟

جواب: ہمارے معاشرے میں جس طرح دیگر قوانین پر عملدرآمد نہیں ہو رہا اسی طرح وراثت کے متعلق قوانین بھی عملاً غیر مؤثر ہیں۔ اسلام نے تقسیمِ وراثت کا مکمل نظام وضع کیا ہے اور قرآن و حدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ ورثاء کے حصے بیان کیے گئے ہیں۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ (النساء، ۴: ۷)

مردوں کے لیے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے۔

اسی طرح تقسیم وراثت کے موقع پر غیر وارث رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں کے بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا۔ (النساء، ۴: ۸)

اور اگر تقسیم (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو۔

بیٹے، بیٹیوں، والدین، شوہر، بیویوں، بھائیوں اور بہنوں کو وراثت سے حصے دینے کے احکامات درج ذیل ارشاداتِ الٰہیہ سے واضح ہوتے ہیں:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِي بِهَآ أَوْ دَيْنٍ آبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا۔
(النساء، ۴: ۱۱)

اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے، پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زائد تو ان کے لیے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے، اور مورِث کے ماں باپ کے لیے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ (ملے گا) بشرطیکہ مورِث کی کوئی اولاد ہو، پھر اگر اس میت (مورِث) کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کے لیے تہائی ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے)، پھر اگر مورِث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ہو گی)، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ فائدہ پہنچانے میں ان میں سے کون تمہارے قریب تر ہے، یہ (تقسیم) اللہ کی طرف سے **فریضہ** (یعنی مقرر) ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

☆ ایسا شخص جس کی اولاد نہ ہو اور والدین بھی پہلے فوت ہو چکے ہوں تو اس کی وراثت تقسیم کرنے کا طریقہ کار درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ سے ثابت ہے:

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (النساء، ۴: ۱۷۶)

لوگ آپ سے فتویٰ (یعنی شرعی حکم) دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجیے کہ اللہ تمہیں (بغیر اولاد اور بغیر والدین کے فوت ہونے والے) کلالہ (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جو بے اولاد ہو مگر اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس (مال) کا آدھا (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے، اور (اگر اس کے برعکس بہن کلالہ ہو تو اس کے مرنے کی صورت میں اس کا)

بھائی اس (بہن) کا وارث (کامل) ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر (کلالہ بھائی کی موت پر) دو (بہنیں وارث) ہوں تو ان کے لیے اس (مال) کا دو تہائی (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے، اور اگر (بصورتِ کلالہ مرحوم کے) چند بھائی بہن مرد (بھی) اور عورتیں (بھی وارث) ہوں تو پھر (ہر) ایک مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگا۔ (یہ احکام) اللہ تمہارے لیے کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

☆ جدہ یعنی دادی اور نانی کو چھٹا حصہ ملنے کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَّثَ جَدَّةً سُدُسًا.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وراثت سے جدہ (دادی یا نانی) کو چھٹا حصہ دیا۔ (ابن ماجہ، السنن، ۲: ۹۱۰، رقم: ۲۷۲۵)

اصحابِ فرائض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد باقی مال میت کے قریبی مرد کو بطورِ عصبہ ملتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ.

میراث اُس کے حق دار لوگوں کو پہنچا دو اور جو باقی بچے تو وہ سب سے قریبی مرد کے لیے ہے۔ (بخاري، الصحیح، کتاب الفرائض، باب میراث الولد من أبیه وأمه، ۶: ۲۴۷۶، رقم: ۶۳۵۱)

وراثت کے حوالے سے قرآن وحدیث میں مزید تفصیلات بھی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں لیکن اختصار کی خاطر انہی تصریحات پر اکتفاء کیا ہے۔ مگر ہم قانون وراثت کا نچوڑ اور تقسیم ترکہ کی ترتیب مختصر انداز میں بیان کر دیتے ہیں:

○ سب سے پہلے میت کے قابلِ تقسیم ترکہ سے ذوی الفروض (اصحابِ فرائض) کو حصہ دیا جاتا ہے۔ یہ وہ ورثاء ہیں جن کے حصے قرآنِ مجید میں مقرر ہیں۔ ان ورثاء میں باپ، دادا اوپر تک، اخیافی (ماں شریک) بھائی، شوہر، بیوی، بیٹی، پوتی نیچے تک، حقیقی بہن، علاتی (باپ شریک) بہن، اخیافی بہن، ماں اور جدہ (دادی اور نانی) اوپر تک شامل ہیں۔

○ اصحابِ فرائض کے بعد عصبہ نسبی حصہ پاتے ہیں۔ یہ میت کے وہ ورثاء ہیں جن کو اصحابِ فرائض سے بچا ہوا تمام مال مل جاتا ہے اور اصحابِ فرائض نہ ہونے کی صورت میں تمام ترکہ ہی ان کو ملتا ہے۔ عصبہ کی دو قسمیں ہیں: عصبہ نسبی اور عصبہ سببی۔ عصبہ نسبی وہ ہیں جن کا میت سے ولادت کا تعلق ہو اور عصبہ سببی وہ ہیں جن کا میت سے عتاق (غلامی) کا تعلق ہو۔ لیکن آج کل عصبہ کی یہ دوسری قسم ختم ہو چکی ہے۔ عصبہ نسبی کی مزید تین اقسام ہیں: عصبہ بنفسہ، عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ۔

○ اصحابِ فرائض اور عصبہ نسبی نہ ہوں تو ترکہ عصبہ سببی کو ملتا ہے۔ عصبہ سببی، غلام کو آزاد کرنے والا ہے جو آج کل نہیں ہے۔

○ اگر کسی بھی قسم کے عصبہ نہ ہوں تو باقی مال دوبارہ نسبی اصحابِ فرائض میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس عمل کو رد کہتے ہیں لیکن اس میں زوجین کو شامل نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ سببی یعنی رشتہ زوجیت کے سبب وارث ہوتے ہیں۔

○ اگر اصحابِ فرائض اور عصبات میں سے کوئی وارث زندہ نہ ہو تو ذوی الارحام کو ترکہ ملتا ہے۔ یہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن و حدیث میں مقرر نہیں ہے، نہ اجماع سے طے پایا ہے اور نہ وہ عصبات ہیں، جیسے پھوپھی، خالہ، ماموں، بھانجا اور نواسہ وغیرہ۔

○ اگر ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولی الموالات کو ترکہ ملتا ہے۔ فقہ کی اصطلاح ایک خاص قسم کے معاہدہ کو موالات کہتے ہیں۔ میراث میں یہ عقد احناف کے ہاں معتبر ہے جبکہ شوافع کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ اس کے مولی بننے کی کچھ شرائط ہیں لیکن یہاں تفصلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

○ مذکورہ بالا ورثاء میں سے کوئی نہ ہو تو وہ شخص وارث ہو گا جس کے لیے میت نے اپنے غیر سے نسب کا اقرار کیا ہو یعنی کسی مجہول النسب کے بارے میں یہ کہا ہو کہ یہ میرا بھائی یا چچا ہے، اور اس کے اس اقرار سے اس کا نسب اس غیر سے ثابت نہ ہوا ہو، اور اقرار کرنے والے نے اپنے اقرار سے موت تک رجوع بھی نہ کیا ہو تو وہ مقرلہ بھائی یا چچا ہونے کی حثیت سے وارث ہو گا۔ اس کی بھی کچھ شرائط ہیں۔

○ اگر مذکورہ بالا ورثاء میں سے کوئی نہ ہو اور میت نے کسی کے لیے ایک تہائی سے زائد یا سارے ترکہ کی وصیت کی ہو تو تہائی سے زائد یا سارا ترکہ اسی کو دے دیا جائے گا۔

○ اگر مذکورہ بالا تمام لوگوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال میں جمع کروا دیا جائے گا۔

✫ آخر میں ایک قابل توجہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ وراثت سے حصہ پانے کے لیے وارث اور مورث کا دین ایک ہونا ضروری ہے کیونکہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ.

مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کافر کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔ (بخاري، الصحیح، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم وإذا أسلم قبل أن یقسم المیراث فلا میراث لہ، ۶: ۲۴۸۴، رقم: ۶۳۸۳)

مذکورہ بیان کردہ ترتیب سے ہی ورثاء میں حصے تقسیم کیے جائیں گے۔ یاد رہے کہ بعض اوقات کچھ ورثاء کی موجودگی میں کچھ دوسرے ورثاء محروم ہو جاتے ہیں، جیسے قریبی وارث کی موجودگی میں دور والا وارث محروم ہو جاتا ہے۔

سوال: اسلام میں یتیم پوتے کی وراثت بارے کیا احکام ہیں؟

جواب: میت کی مذکر اولاد کی موجودگی میں اس کا یتیم پوتا بحیثیتِ وارث حصہ نہیں پاتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تقسیمِ وراثت کے شرعی احکام کی بنیاد 'الاقرب فالاقرب' کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ اس اصول کی بناء پر یہ قانون طے کیا گیا ہے کہ اصحاب الفرائض (جن کے حصے قرآن وحدیث نے مقرر کر دیے ہیں) کو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی اموالِ وراثت میت کے قریب ترین رشتہ دار کو بطور عصبہ مل جائے گا۔ میت کے ساتھ اس کے پوتے کی رشتہ داری اپنے باپ کے واسطے سے ہے جبکہ اس کی اپنی اولاد بلاواسطہ رشتہ دار ہے' اس لیے میت کے بیٹے کی موجودگی میں اس کی بیٹیاں اور بیٹے عصبہ بنیں گے اور وراثت کے اصولی مستحق ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فهو لأولى رجل ذكر.

اصحاب الفرائض کو ان کا حق دینے کے بعد جو باقی بچے وہ قریبی ترین مرد وارث کے لیے ہے۔ (صحیح البخاري، ۲: ۹۹۷)

اس اصول کی بنا پر ہی اگر میت کی وفات کے وقت اس کی کوئی مذکر اولاد زندہ نہیں ہے صرف بیٹیاں اور پوتا ہے تو بیٹیوں کو حصہ دینے کے بعد پوتا بطور عصبہ دادا کی وراثت سے حصہ پائے گا' کیونکہ اس صورت میں یہ قریبی ترین مرد رشتہ دار ہے۔

اسی طرح شریعت نے وصیت کا قانون بھی متعارف کروا رکھا ہے' اس کی رو سے اگر کسی شخص کو خدشہ ہو کہ اس کی اولاد اس کے یتیم پوتوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرے گی تو وہ اپنی زندگی میں ان کے لیے جتنی چاہے جائیداد ہبہ کر سکتا ہے یا ان کے حق میں اموالِ وراثت سے ایک تہائی مال تک کی وصیت کر سکتا ہے۔ ہمارے فقہاء کے نزدیک بعض حالات میں پوتے کے لیے وصیت کرنا مستحب اور بعض اوقات واجب بھی ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کا نظامِ وراثت بڑی حکمتوں پر مبنی ہے۔ اس کے اصولوں کے مطابق اگر یتیم پوتے کو بیٹوں کے ساتھ بطور وارث حصہ نہیں دیا گیا ہے تو وقتِ ضرورت اس کی حاجت روائی اور کفالت کے دیگر پختہ انتظامات کیے ہیں۔

رمضان المبارک
فکرِ انسانی کی تعمیرِ نو اور خود احتسابی

محمد یوسف منہاجین

کائنات کا مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کے طلوع و غروب سے لے کر ایٹم کے گرد گھومنے والے الیکٹران تک، ہر شے ایک جبری قانون (Natural Law) کی پابند ہے۔ اس پوری کائنات میں صرف انسان وہ ہستی ہے جسے "ارادے کی آزادی (Free Will) "عطا کی گئی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے انسانی عظمت کا سفر شروع ہوتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے اس کی گمراہی کی راہیں پھوٹتی ہیں۔ ماہ رمضان المبارک کا پورا فلسفہ دراصل اس "انسانی ارادے" کو ایک اعلیٰ مقصد کے تابع کرنے کا نام ہے۔ جب ایک روزہ دار شدید تپش اور پیاس کے عالم میں اپنے سامنے موجود ٹھنڈے پانی کے گلاس کو ہاتھ نہیں لگاتا، تو وہ دراصل کائنات کو یہ پیغام دے رہا ہوتا ہے کہ "میں اپنی جبلتوں کا غلام نہیں، بلکہ اپنے خالق کے حکم کا پابند ہوں"۔

روزے کی فرضیت کے پیچھے چھپا حقیقی نکتہ قرآن نے "لعلکم تتقون "میں سمو دیا ہے۔ یہاں تقویٰ سے مراد محض چند ظاہری پابندیاں نہیں، بلکہ یہ "بیدار مغزی (Mindfulness) "کی وہ انتہا ہے جہاں انسان اپنے نفس پر حکمرانی کرنا سیکھ جاتا ہے۔ یہ دراصل Self-Regulation کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ جب تک انسان اپنی بھوک، پیاس اور صنفی خواہشات کو کنٹرول کرنا نہیں سیکھتا، وہ کبھی بڑے سماجی یا سیاسی انقلاب برپا نہیں کر سکتا۔ ماہ رمضان المبارک ہمیں یہ فکری بنیاد فراہم کرتا

ہے کہ اگر تم "حلال" کو خدا کے کہنے پر چھوڑ سکتے ہو، تو تمہارے لیے "حرام" کو چھوڑنا ناممکن نہیں رہنا چاہیے۔ یہ عمل انسانی شخصیت میں وہ "داخلی مزاحمت" پیدا کرتا ہے جو اسے معاشرتی برائیوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیتی ہے۔ یہیں سے اس فکری انقلاب کا آغاز ہوتا ہے جو محض انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی تبدیلی کا پیش خیمہ بنتا ہے۔

ا۔ انسانی ارادے کی خود مختاری

یاد رکھیں! محض ارادے کی تربیت کافی نہیں بلکہ اس تربیت یافتہ ارادے کو کوئی رخ دینا بھی ضروری ہے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان المبارک کو "نزولِ قرآن" کے لیے منتخب کیا۔ قرآنِ حکیم کا اس ماہ میں نازل ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ جب تک انسانی فکر کی بنیاد "علمِ الٰہی" پر نہیں ہوگی، وہ گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتی رہے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ۔
(البقرہ: ۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں۔“

اس آیت میں لفظ "الفرقان" نہایت کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ علمی اصطلاح میں "فرقان" اس معیار کو کہتے ہیں جو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے۔ آج کا سب سے بڑا المیہ "فکری کنفیوژن" ہے، جہاں باطل حق کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ماہ رمضان المبارک کا روزہ دراصل انسان کے حواس کو اس قدر لطیف اور بیدار کر دیتا ہے کہ وہ قرآن کے "فرقان" کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ جب ایک انسان تیس دن تک مسلسل ایک نظم و ضبط سے گزرتا ہے، تو اس کے اندر کی فکری بصیرت (Intellectual Insight) روشن ہو جاتی ہے۔

یہ فکری بیداری ہی وہ نکتہ ہے جو ایک عام آدمی کو "صاحبِ فکر" بناتا ہے۔ قرآن ہمیں صرف کہانیاں سنانے نہیں آیا، بلکہ یہ ہمارے Worldview کو تبدیل کرنے آیا ہے۔ جب ہم ماہ رمضان المبارک میں قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، تو ہمیں یہ احساس ہونا چاہیے کہ یہ کلام ہمیں جمود سے نکال کر حرکت کی طرف اور اندھی تقلید سے نکال کر تحقیقِ حق کی طرف بلا رہا ہے۔ یہ فکری انقلاب ہی وہ بنیاد ہے جس پر تاریخ کی عظیم ترین ریاستیں اور تہذیبیں قائم ہوئیں۔ اگر ماہ رمضان المبارک ہمیں

قرآن کے ذریعے نیا فکری زاویہ عطا نہیں کر رہا تو ہمیں اپنے روزوں کی کیفیت پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ یہ فکری پختگی ہی ہے جو آگے چل کر عملی میدان میں استقامت کی صورت اختیار کرتی ہے۔

۲۔ عددی یا فکری برتری؟

جب فکر قرآن کے سانچے میں ڈھل جائے اور ارادہ فولادی بن جائے تو پھر میدانِ کارزار میں وسائل کی کمی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ 17 رمضان المبارک کو پیش آنے والا معرکہِ بدر تاریخِ انسانی کا وہ انوکھا واقعہ ہے جہاں یہ ثابت ہوا کہ فتح "گوشت پوست کے انسانوں" کی نہیں، بلکہ "نظریات" کی ہوتی ہے۔ غزوہ بدر کا واقعہ محض ایک جنگ نہیں تھا، بلکہ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ جب ایک چھوٹا سا گروہ بھی حق کے لیے ڈٹ جاتا ہے تو کائنات کی تمام غیبی قوتیں اس کی پشت پر آکھڑی ہوتی ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے میدانِ بدر میں جو دعا فرمائی، اس میں ایک گہرا فلسفہ چھپا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللّٰهُمَّ إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِي الْأَرْضِ۔ (صحیح مسلم: ۱۷۶۳)

اے اللہ! اگر تو نے اہل اسلام کی اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین میں تیری کبھی عبادت نہیں کی جائے گی۔

یہ دعا دراصل اس "Commitment" کا اظہار تھی کہ ہم مٹ تو سکتے ہیں مگر حق سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ معلوم ہوا کہ "کثرت" کبھی سچائی کا معیار نہیں ہوتی۔ آج کا مسلمان وسائل کی کمی کا رونا روتا ہے، لیکن غزوۂ بدر ہمیں سکھاتا ہے کہ اصل طاقت "اسلحہ" نہیں بلکہ "اصولوں پر یقین" ہے۔ اگر ہمارے پاس سچا نظریہ اور مضبوط کردار ہے، تو ہم 313 ہو کر بھی ہزاروں کے لشکر کو بے بس کر سکتے ہیں۔ غزوہ بدر ہمیں مظلومیت کے احساس سے نکال کر خود اعتمادی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ رمضان المبارک صرف مصلیٰ پر بیٹھ کر آنسو بہانے کا نام نہیں، بلکہ یہ اپنے نظریہ کے تحفظ کے لیے میدانِ عمل میں نکلنے کی تیاری کا نام بھی ہے۔ جب انسان اپنے اندر کے باطل کو روزے کے ذریعے شکست دے دیتا ہے تو خارجی باطل اس کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ خود احتسابی کی نفسیات

انسان کو دنیا میں ملنے والی کسی بھی فتح یا بڑی کامیابی سے ہمیشہ "تکبر" کے خطرے کا سامنا رہتا ہے۔ ماہ رمضان المبارک کا درمیانی عشرہ، جسے "عشرہِ مغفرت" کہا جاتا ہے، انسان کو اس کی حقیقت یاد دلانے اور اسے اپنی خطاؤں کا ادراک کروانے کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ نفسیاتی طور پر، گناہ ایک ایسا

"نفسیاتی بوجھ "ہے جو انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتا ہے۔ جب انسان اللہ سے معافی مانگتا ہے تو وہ دراصل اپنے ماضی کی زنجیروں کو توڑ کر ایک آزاد مستقبل کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اس معاملے کی سنگینی کو واضح کرتا ہے:

رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رمضان ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ۔ (جامع الترمذی: ۳۵۴۵)

خاک آلود ہو اس شخص کی ناک جس پر ماہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا اور وہ اس کی بخشش ہونے سے پہلے ہی گزر گیا۔

اس حدیث کا فکری نکتہ یہ ہے کہ اللہ کی رحمت ہر وقت موجود ہے، مگر اسے حاصل کرنے کے لیے "خود احتسابی (Critical Self-Analysis) "کی ضرورت ہوتی ہے۔ مغفرت کا مطلب صرف توبہ کے الفاظ دہرانا نہیں بلکہ اپنے رویہ اور مزاج کو تبدیل کرنا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی زندگی کا "آڈٹ" کرنا چاہیے کہ ہم نے کہاں کہاں علمی بددیانتی کی۔۔۔؟ کہاں کہاں اپنوں کے حقوق پامال کیے۔۔۔؟ کہاں کہاں ہم نے انا کو حق پر فوقیت دی۔۔۔؟ ماہ رمضان المبارک ہمیں وہ خاموشی اور تنہائی فراہم کرتا ہے جس میں ہم اپنی روح کے زخموں کا علاج کر سکیں۔ استغفار دراصل ایک "روحانی ری بوٹنگ (Spiritual Rebooting) "ہے، جو ہمیں پچھلے بوجھ سے آزاد کر کے ایک نئے جوش و ولولے کے ساتھ جینے کا حوصلہ دیتی ہے۔ یہیں سے وہ اصلاحِ احوال شروع ہوتی ہے جو معاشرے کی مجموعی صحت کے لیے ناگزیر ہے۔

۴۔ علمی دیانت اور فکری استقامت

جب انسان اپنے نفس کو قابو کر لیتا ہے اور اپنی اصلاح کے عمل سے گزرتا ہے، تو وہ اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں اسے "حق کی گواہی" دینے کے لیے کسی بھی قربانی کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے۔ 21 رمضان المبارک کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کا واقعہ ہمیں اسی فکری استقامت کا سبق دیتا ہے۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شخصیت علم اور شجاعت کا وہ سنگم ہے جس کی مثال تاریخِ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا "باب العلم" ہونا اور پھر میدانِ کارزار میں "اسد اللہ" ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ ایک سچا دانشور بزدل نہیں ہوتا اور ایک سچا مجاہد جاہل نہیں ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول آج کے دور کے لیے ایک عظیم مشعلِ راہ ہے:

اَلْعِلْمُ حَيَاةُ الْإِسْلَامِ وَعِمَادُ الْإِيمَانِ۔ (جامع بیان العلم وفضلہ)

علم اسلام کی زندگی اور ایمان کا ستون ہے۔

شہادتِ حضرت علی ؓ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حق پر چلنا کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، اصولوں پر سمجھوتہ کرنا موت سے بدتر ہے۔ آپ ؓ کی شہادت اس انتہا پسندی اور نادانی کے ہاتھوں ہوئی جو اسلام کا نام تو لیتی تھی مگر اس کی روح (عدل اور حکمت) سے ناواقف تھی۔ ماہ رمضان المبارک کا یہ حصہ ہمیں خبردار کرتا ہے کہ ہم کہیں "فکری انتہا پسندی" کا شکار تو نہیں ہو رہے۔۔۔؟ کیا ہمارا علم ہمیں دوسروں کے لیے نرم بنا رہا ہے یا ہم صرف فتوے بازی میں مصروف ہیں۔۔۔؟ حضرت علی ؓ کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ تقویٰ دراصل "عدل" کا دوسرا نام ہے۔ اگر رمضان المبارک ہمیں اپنے عمل میں عادل اور اپنی فکر میں جرات مند نہیں بنا رہا تو ہم نے حضرت علی ؓ کے اس عظیم سبق کو نہیں پایا۔ یہ جرأت ہی وہ جوہر ہے جو انسان کو سماجی خدمت اور معاشی ایثار کی طرف لے جاتا ہے۔

۵۔ معاشی عدل اور سماجی ہمدردی

رمضان المبارک کا پورا ڈھانچہ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ انسان کو "ذات کے خول" سے نکال کر "سماج کی فکر" میں ڈال دے۔ بھوک اور پیاس کا یہ تجربہ دراصل ایک Empathy Session ہے تاکہ معاشرے کے متمول طبقے کو ان لوگوں کے دکھ کا اندازہ ہو سکے جن کا پورا سال روزے کی حالت میں گزرتا ہے۔ اسلام نے اس احساس کو صرف جذبات تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے "زکوۃ اور صدقات" کے ذریعے ایک باقاعدہ معاشی نظام کی شکل دی ہے۔ قرآن کا واضح اصول ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

"تم ہر گز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔" (آل عمران: ۹۲)

اس نقطۂ نظر سے دیکھیں تو ماہ رمضان المبارک "مادہ پرستی (Materialism)" کے خلاف ایک عالمی احتجاج ہے۔ آج کی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ دولت کا چند ہاتھوں میں مرتکز ہونا ہے، جس نے طبقاتی کشمکش کو جنم دیا ہے۔ ماہ رمضان المبارک کا انفاقِ مال اس کشمکش کا روحانی اور منطقی حل پیش کرتا ہے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ مال کا اصل مالک اللہ ہے اور ہم صرف اس کے "ٹرسٹی" (Trustee) ہیں۔ جب ایک صاحبِ ثروت شخص اپنی محنت کی کمائی میں سے غریب کا حصہ نکالتا ہے، تو وہ دراصل اپنے نفس کو "حرص" سے پاک کر رہا ہوتا ہے۔

یہ معاشی اصلاح دراصل اس سماجی استحکام کی بنیاد ہے جس کے بغیر کوئی بھی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ ماہ رمضان المبارک کا یہ پیغام ہے کہ ہمارا علم اور ہماری عبادت تب تک بے معنی ہے جب تک

ہمارے پڑوس میں کوئی بھوکا سو رہا ہے۔ یہ سماجی ہمدردی ہی وہ جذبہ ہے جو ہمیں ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی ان عظیم گھڑیوں کی طرف لے جاتا ہے جہاں انسان اپنے خالق سے "تقدیر بدلنے" کی دعا کرتا ہے۔

۶۔ اعتکاف: روح کی تنہائی کی تلاش

ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا آغاز ہوتے ہی اسلام ہمیں ایک ایسی مشق کی طرف لے جاتا ہے جسے "اعتکاف" کہا جاتا ہے۔ اگر پہلے دو عشروں میں روزے نے جسم کو اور قرآن نے فکر کو جلا بخشی، تو اعتکاف کا مقصد "روح کی تنہائی" کو دریافت کرنا ہے۔ جدید نفسیات میں تنہائی کو تخلیقی صلاحیتوں کی معراج قرار دیا گیا ہے۔ آج کا انسان شور و غل، سوشل میڈیا کی یلغار اور مادی دوڑ میں اتنا کھو چکا ہے کہ وہ اپنی ذات سے بھی اجنبی ہو گیا ہے۔ اعتکاف دراصل اس "اجنبیت" کو ختم کرنے کا ایک روحانی طریقہ کار ہے۔ یہ دنیا سے کٹ کر صرف اللہ اللہ کرنے کا نام نہیں، بلکہ دنیا کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے "ذہنی وقفہ (Mental Break)" لینے کا نام بھی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ ماہ رمضان المبارک کے آخری دس دن مسجد میں اعتکاف فرماتے۔ یہ عمل ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ جب تک انسان اپنے وجود کے اندر کی آواز نہیں سنتا، وہ کائنات کی حقیقتوں کو نہیں پا سکتا۔

الاعتكافُ هوَ قَطعُ العَلائِقِ عَنِ الخَلائِقِ لِلاتِّصالِ بِالخالِقِ۔

اعتکاف مخلوق سے تعلقات منقطع کرنے کا نام ہے تاکہ خالق سے تعلق قائم ہو سکے۔ (ابن قیم، زادالمعاد)

اعتکاف گہرے فکری ارتکاز کی وہ حالت ہے جہاں بندۂ مومن اپنے گزشتہ گیارہ مہینوں کے اعمال، افکار اور نظریات کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے۔ جب انسان مسجد کے گوشے میں بیٹھتا ہے، تو اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ مٹی کا ایک پتلا ہے جسے رب نے عظیم ذمہ داریاں سونپی ہیں۔ یہیں سے اس کے اندر وہ "خاموش طاقت" پیدا ہوتی ہے جو اسے معاشرے میں واپس جا کر ایک "مصلح" (Reformer) کا کردار ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔ اعتکاف ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ حقیقی تبدیلی باہر سے نہیں، بلکہ انسانی قلب کے نہاں خانوں سے شروع ہوتی ہے۔ جب روح اس تنہائی میں پختہ ہو جاتی ہے، تو وہ کائنات کی اس عظیم ترین رات کا استقبال کرنے کے قابل بنتی ہے جہاں زمین اور آسمان کے فیصلے ہوتے ہیں۔

۷۔ لیلۃ القدر: تقدیر سازی کی رات

اعتکاف کی اس خلوتِ نشینی کا ثمر "لیلۃ القدر" کی تلاش ہے۔ یہ رات محض جاگنے اور تسبیح پڑھنے کی رات نہیں، بلکہ یہ تقدیر سازی کی رات ہے۔ قرآنِ کریم نے اسے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دے کر یہ پیغام دیا ہے کہ انسان کا ایک "لمحہِ بیداری" اس کی غفلت کی صدیوں پر بھاری ہو سکتا ہے۔ یہ رات انسان کو وقت کی قدر و قیمت سکھاتی ہے۔ یہ رات وہ ہے جس میں قرآن کا نزول شروع ہوا، یعنی انسانیت کی تقدیر بدلی گئی۔ اس رات کا پیغام یہ ہے کہ اگر انسان خلوصِ دل سے چاہے تو وہ اپنی انفرادی اور قومی تقدیر کو بدل سکتا ہے۔

تقدیر محض لکیروں کا نام نہیں، بلکہ یہ ان فیصلوں کا نام ہے جو انسان ایک بیدار شعور کے ساتھ کرتا ہے۔ جب ہم اس رات میں گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں، تو ہم دراصل اپنے عزم کو تازہ کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ رات ہمیں مایوسی سے نکال کر امید کی طرف لاتی ہے۔ اگر امتِ مسلمہ آج زوال کا شکار ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے لیلۃ القدر کے اس "انقلابی جوہر" کو کھو دیا ہے جو تقدیریں بدلنے کا حوصلہ دیتا تھا۔ یہ رات ہمیں سکھاتی ہے کہ ایک جاگتا ہوا ذہن، سوئی ہوئی تہذیبوں کو بیدار کر سکتا ہے اور جب یہ انفرادی بیداری مکمل ہوتی ہے تو تاریخ ہمیں ایک ایسے عظیم واقعہ کی طرف لے جاتی ہے جہاں حق کا غلبہ مکمل ہو جاتا ہے۔

۸۔ فتح مکہ: عفو و درگزر کا عالمی منشور اور انسانی حقوق

رمضان کے آخری عشرہ (19 ماہ رمضان المبارک) میں پیش آنے والا "فتح مکہ" کا واقعہ محض ایک شہر کی فتح نہیں تھا، بلکہ یہ انسانی اخلاقیات کی فتح تھی۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ مکہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے، تو آپ کے سامنے وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے، آپ ﷺ کے صحابہ کو شہید کیا اور آپ کو جلاوطن کیا۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے مواقع پر قتلِ عام اور انتقام کی روایت رہی ہے، لیکن آپ ﷺ نے وہ جملہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک "انسانی حقوق" کا چارٹر بن گیا:

اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

جاؤ، آج تم سب آزاد ہو۔ (السنن الکبری للبیهقي)

اس واقعہ سے جو اصلاحی نکتہ برآمد ہوتا ہے، وہ ہے "طاقت کا اخلاقی استعمال"۔ طاقت اکثر انسان کو ظالم بنا دیتی ہے مگر ماہ رمضان المبارک کی تربیت نے مسلمانوں کو وہ "ضبطِ نفس" سکھایا تھا کہ وہ فتح کے نشے میں چور ہونے کے بجائے عاجزی سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ فتح مکہ ہمیں یہ پیغام دیتی ہے

کہ اصل فتح دشمن کو قتل کرنا نہیں، بلکہ اس کے "نظریاتی شر" کو ختم کر کے اسے "انسانیت" پر آمادہ کرنا ہے۔ یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ "انتقام (Revenge) "معاشروں کو تباہ کرتا ہے جبکہ "عفو (Forgiveness) "نئی زندگی عطا کرتا ہے۔ آج کے دور میں جب معمولی اختلافات پر لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں، فتح مکہ کا یہ سبق ہمیں "برداشت" اور "رواداری" کی طرف بلاتا ہے۔ ماہِ رمضان المبارک کا مقصد صرف روزے رکھنا نہیں، بلکہ اپنے اندر وہ حوصلہ پیدا کرنا ہے کہ ہم اپنے بدترین دشمن کو بھی معاف کر سکیں۔ یہی وہ اخلاقی برتری ہے جو کسی بھی قوم کو عالمی سطح پر "لیڈر" بناتی ہے۔

۹۔ تربیتِ نفس سے تعمیرِ سیرت تک کا سفر

جیسے جیسے ماہِ رمضان المبارک اپنے اختتام کی طرف بڑھتا ہے، اس کا تربیتی رنگ مزید گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب یہ محض چند عبادات کا مجموعہ نہیں رہا، بلکہ ایک Complete Personality Development کا پروگرام بن چکا ہے۔ تزکیہ نفس کا مطلب ہے اپنی روح کو ان تمام آلائشوں سے پاک کرنا جو اسے مادی دنیا کا قیدی بناتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰهَا۔ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا۔

" بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشو و نما کی)۔ اور بے شک وہ شخص نامراد ہوگیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا)۔ (الشمس: ۹، ۱۰)

یاد رکھیں! انسانی ترقی کا اصل معیار اس کی "کردار سازی (Character Building) "ہے۔ رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہمیں اسی تزکیہ کی مشق کرواتا ہے۔ جھوٹ چھوڑنا، غیبت سے بچنا، غصے پر قابو پانا اور اپنی انا کو مٹانا، یہ وہ اخلاقی جوہر ہیں جو ایک انسان کو "اعلیٰ انسان" بناتے ہیں۔

اصلاحِ احوال کا یہ نکتہ نہایت اہم ہے کہ جب تک فرد کی سیرت تعمیر نہیں ہوتی، ریاست یا معاشرہ تعمیر نہیں ہو سکتا۔ ماہِ رمضان المبارک ہمیں "اندرونی اصلاح (Internal Reform) "کا سبق دیتا ہے۔ اگر تیس دن کے روزوں کے بعد بھی ہمارے اخلاق میں تبدیلی نہیں آئی، ہماری زبان میں مٹھاس نہیں آئی اور ہمارے دل میں دوسروں کے لیے تڑپ پیدا نہیں ہوئی، تو ہم نے ماہِ رمضان المبارک کے فلسفہ کو صرف سطح پر چھوا ہے، اس کی روح تک نہیں پہنچے۔ تزکیہ کا یہ عمل ہمیں اس قابل

بناتا ہے کہ ہم ماہِ رمضان المبارک کے بعد کے گیارہ مہینوں میں بھی اسی "تقویٰ" کے ساتھ جی سکیں جو ہم نے اس مہینے میں سیکھا تھا۔

۱۰۔ فطرت سے ہم آہنگی

رمضان کا مہینہ ہمیں فطرت کے قریب لاتا ہے۔ سحری اور افطاری کے اوقات کا سورج کے طلوع و غروب سے جڑنا اور چاند کی رؤیت پر پورے نظام کا انحصار ہونا، یہ بتاتا ہے کہ اسلام "دینِ فطرت" ہے۔ یہ "فطرت پسندی" ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ انسانی زندگی کا اصل حسن اس بات میں ہے کہ وہ کائناتی توازن (Cosmic Balance) کو برقرار رکھے۔ماہ رمضان المبارک ہمیں مصنوعی زندگی کے خول سے نکال کر فطری زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔ سادہ غذا، وقت کی پابندی اور کائنات کے مظاہر پر غور و فکر، یہ سب وہ اجزاء ہیں جو ہماری جسمانی اور ذہنی صحت کے لیے ناگزیر ہیں۔ جب ہم فطرت کے ان اصولوں کی پابندی کرتے ہیں تو ہمارے اندر ایک عجیب قسم کا "اطمینانِ قلب" پیدا ہوتا ہے۔ یہ اطمینان ہی وہ منزل ہے جس کی تلاش میں آج کا انسان نفسیاتی ماہرین کے چکر کاٹ رہا ہے۔ماہ رمضان المبارک ہمیں مفت میں وہ "تھراپی" فراہم کرتا ہے جو ہمیں کائنات اور اس کے خالق کے ساتھ ایک مضبوط تعلق میں باندھ دیتی ہے۔

۱۱۔ علم اور عمل کا تضاد: ایک فکری المیہ اور ماہ رمضان المبارک

یاد رکھیں! علم کا ہونا کافی نہیں، بلکہ علم کا "عمل" میں ڈھلنا ضروری ہے۔ماہ رمضان المبارک اسی "علم و عمل" کے تضاد کو ختم کرنے کا نام ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ سچ بولنا اچھی بات ہے، روزہ ہمیں اسی سچ بولنے کی "مشق" کرواتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ بھوکوں کو کھانا کھلانا نیکی ہے، افطار ہمیں اس کا "تجربہ" کرواتا ہے مگر ہم روزے رکھنے کے باوجود ان اوصاف و خصائل سے عاری رہتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے فرمایا تھا:

اَلْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ جُنُونٌ، وَالْعَمَلُ بِلَا عِلْمٍ لَا يَكُونُ۔ (ایہا الولد)

بغیر عمل کے علم جنون ہے اور بغیر علم کے عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

افسوس کہ ہم اکثر علمی بحثوں میں تو الجھے رہتے ہیں مگر ہماری عملی زندگی ان سے خالی ہوتی ہے۔ماہ رمضان المبارک ہمیں اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ "جان لینا" کافی نہیں، "مان لینا" اور "کر گزرنا" اصل کمال ہے۔ یہ مہینہ ہمیں اس منافقت سے نکال کر عملی اخلاص کی طرف لاتا ہے۔ جب ایک

شخص روزے کی حالت میں اپنی علمی ترجیحات کو رضائے الٰہی کے مطابق ترتیب دیتا ہے، تو اس کا علم "نور" بن جاتا ہے جو معاشرے کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے۔

۱۲۔ ماہ رمضان المبارک میں حاصل اثرات کا تجزیہ

جیسے جیسے ماہ رمضان المبارک کے آخری ایام قریب آتے ہیں، ایک صاحبِ بصیرت انسان کے دل میں اداسی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہ اداسی محض ایک مہینے کے گزر جانے کی نہیں بلکہ اس "روحانی حصار" کے ٹوٹنے کا خوف ہے جس نے تیس دن تک ہمیں برائیوں سے بچائے رکھا۔ ماہ رمضان المبارک کا اختتام بھی دراصل ہماری ایک ماہ کی محنت کا خلاصہ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم نے اس مہینہ سے صرف بھوک پیاس سمیٹی یا کوئی "پائیدار تبدیلی (Sustainable Change)" بھی حاصل کی؟ اس لیے ہمیں اس حدیثِ قدسی پر غور کرنا چاہیے:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ

ابنِ آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزے کے، کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

معلوم ہوا کہ روزہ ایک "خفیہ عبادت" ہے جس کا تعلق خالصتاً نیت کے اخلاص سے ہے۔ ماہ رمضان المبارک کے آخری ایام ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ جس اخلاص کا اظہار ہم نے تنہائی میں پانی کا گھونٹ نہ پی کر کیا، کیا وہی اخلاص ہماری مجموعی زندگی، ہمارے پیشے، ہمارے علم و فکر، تحقیق اور ہماری سماجی زندگی میں بھی موجود ہے؟ اگر ہم ماہ رمضان المبارک کے بعد دوبارہ اسی ڈگر پر چل پڑے جہاں سے شروع ہوئے تھے، تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے "عمل" تو کیا مگر اس سے "فکر" کشید نہ کر سکے۔ ماہ رمضان المبارک کا اصل حاصل وہ "خوفِ خدا" نہیں جو سزا کے ڈر سے ہو، بلکہ وہ "محبتِ الٰہی" ہے جو انسان کو اللہ کی نافرمانی سے شرمندہ کر دے۔ یہیں سے "استقلال" کا وہ سفر شروع ہوتا ہے جو عید کے بعد کے گیارہ مہینوں پر محیط ہے۔

۱۳۔ عید الفطر: جشنِ بندگی اور طبقاتی خلیج کا خاتمہ

رمضان کے اختتام پر عید الفطر کا دن کوئی روایتی تہوار نہیں، بلکہ یہ "کامیابی کا اعلان" ہے۔ لیکن یہ کامیابی مادی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ دنیا کے دیگر تہواروں میں جشن کا مطلب لہو و لعب ہوتا ہے جبکہ اسلام میں جشن کا آغاز بھی "تکبیرات" اور "نماز" سے ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ مومن کی خوشی بھی خدا کی بڑائی کے گرد گھومتی ہے۔ عید کا ایک اہم ترین جزو "صدقہِ فطر" ہے۔ یہاں

ایک گہرا سماجی و منطقی پیغام پوشیدہ ہے۔ اسلام نے حکم دیا کہ عید کی نماز سے پہلے غریبوں تک ان کا حق پہنچا دو۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَغْنُوهُمْ عَنْ طَوَافِ هَذَا الْيَوْمِ

انہیں (غریبوں کو) اس دن کے طواف (مانگنے) سے بے نیاز کر دو۔ (سنن الدار قطنی)

یاد رکھیں! عید کی خوشی تب تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں معاشرے کے پسے ہوئے طبقات شامل نہ ہوں۔ یہ عمل ہمیں سکھاتا ہے کہ "خوشی" تقسیم کرنے سے بڑھتی ہے۔ ماہ رمضان المبارک کی پوری تربیت کا نچوڑ اس ایک دن میں رکھ دیا گیا کہ ہم نے مہینہ بھر جو تقویٰ سیکھا، اس کا پہلا امتحان یہ ہے کہ ہم اپنی خوشی میں غریب کو کتنا یاد رکھتے ہو۔ عید الفطر دراصل "مساوات" کا وہ عالمی مظاہرہ ہے جہاں شاہ و گدا ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ جشن اس بات کا ہے کہ ہم نے اپنے نفس کو شکست دی، نہ کہ اس بات کا کہ ہم نے مہنگے لباس زیبِ تن کیے۔

۱۴۔ ماہ رمضان المبارک کے بعد کی زندگی کا روڈ میپ

رمضان کا سب سے بڑا چیلنج عید کا دوسرا دن ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جوں ہی ماہ رمضان المبارک گزرتا ہے، مساجد ویران ہو جاتی ہیں اور اخلاقیات کے معیار دوبارہ گر جاتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا فکری المیہ ہے۔ حقیقی کامیابی یہ نہیں کہ ہم نے ماہ رمضان المبارک میں کتنی عبادت کی، بلکہ کامیابی یہ ہے کہ ماہ رمضان المبارک نے ہمارے "مستقل مزاج (Character) " میں کیا تبدیلی پیدا کی۔ صحابہِ کرام رضی اللہ عنہم کا شیوہ تھا کہ وہ ماہ رمضان المبارک کے بعد چھ ماہ تک اس کی قبولیت کی دعا کرتے تھے۔ یہ "Post-Ramadan Consistency" ہی وہ کسوٹی ہے جس پر ہمارے ایمان کو پرکھا جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ

وہ عمل جو ہمیشگی کے ساتھ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح بخاری: ۶۴۶۵)

اس حدیث سے یہ نکتہ واضح ہوا کہ اسلام "موسمی عبادت" کا قائل نہیں۔ کسی بھی شخص کا کوئی بھی عمل تب ہی مستند ہوتا ہے جب اس میں تسلسل ہو۔ اسی طرح ایک مسلمان کا کردار تبھی معتبر ہوتا ہے جب وہ ماہ رمضان المبارک کے تقویٰ کو دفتر کی کرسی، تجارت کے ترازو اور گھر کے معاملات میں بھی برقرار رکھے۔ ماہ رمضان المبارک ایک "چارجنگ اسٹیشن" تھا، اب اس انرجی کو پورے سال کے

سفر میں استعمال کرنا ہے۔ اگر ہم نے ماہ رمضان المبارک میں غصہ کنٹرول کرنا سیکھا تو عید کے بعد کا اشتعال ہماری ناکامی کی دلیل ہے۔ پس ضروری ہے کہ ماہ رمضان المبارک ایک مہینہ نہیں، بلکہ ایک "طرزِ زندگی (Lifestyle) "بن کر ہمارے وجود میں رچ بس جائے۔

ماحصل

ماہ رمضان المبارک محض ایک مذہبی رسم نہیں، بلکہ یہ انسانیت کی معراج کا ایک راستہ ہے۔ یہ مہینہ ارادہ کی پختگی سے شروع ہوتا ہے، قرآن کے ذریعے فکر کو جلا بخشتا ہے، غزوۂ بدر کے ذریعے جرأت سکھاتا ہے اور اعتکاف ولیلۃ القدر کے ذریعے روح کو خالقِ کائنات کے اسرار سے آشنا کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی ہمہ گیر تربیت ہے جو انسان کے جسم، ذہن اور روح، تینوں کو ایک اکائی میں پرو دیتی ہے۔

ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ماہ رمضان المبارک کو اس کے روایتی خول سے نکال کر ایک "عالمی اصلاحی تحریک" کے طور پر پیش کریں۔ یہ مہینہ ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ دنیا کو اس وقت روٹی سے زیادہ "کردار" کی بھوک ہے اور اسلام وہ دین ہے جو روزے کے ذریعے کردار کی یہ بھوک مٹاتا ہے۔ عید کا چاند دیکھ کر جب ہم اس ماہ کو الوداع کہتے ہیں، تو دراصل ہم ایک نئے انسان کے طور پر جنم لے رہے ہوتے ہیں۔ بقولِ اقبال:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

رمضان کا وہ "ایک مہینہ" ہمیں سال کے باقی گیارہ مہینوں میں غیروں کی ذہنی غلامی، نفس کی بندگی اور مادی خوف سے نجات دلاتا ہے۔ اگر ہم اس مقصد کو پالیں تو ہمارا رمضان، مبارک ہے اور اگر نہیں، تو پھر یہ صرف فاقہ کشی ہے۔ آیئے! اس ماہ رمضان المبارک کو اپنی زندگی کا "ٹرننگ پوائنٹ" بنائیں اور اس فکری روشنی کو اپنے عمل کے ذریعے دنیا بھر میں پھیلائیں۔ کائنات اس انسان کی منتظر ہے جو اللہ کا خلیفہ بن کر زمین پر عدل، محبت اور علم کا علمبردار بنے۔ ماہ رمضان المبارک اسی "خلیفہ" کی تیاری کا عمل ہے۔ جب ہم اس مہینے کی برکات سے لیس ہو کر میدانِ عمل میں نکلیں گے، تو ہر دن بدر کی فتح جیسا ہوگا، ہر رات لیلۃ القدر جیسی روشن ہوگی اور ہماری پوری زندگی عید کا نمونہ بن جائے گی۔ یہی وہ منزل ہے جس کی طرف اسلام ہمیں بلاتا ہے اور یہی وہ فلسفہ ہے جو ایک عام آدمی کو "مردِ مومن اور صاحبِ بصیرت" بناتا ہے۔

اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے اسباب

ڈاکٹر محمد اکرم رانا

مختلف اقوام کے عروج و زوال کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ جو قوم عقلمندی، جدوجہد اور مہارت سے کام لیتی ہے، وہ اپنے دورِ تشکیل سے گزرتے وقت حالات کو پلٹ دیتی ہے اور بحران کی کیفیت سے باعافیت گزر کر اپنی تعمیر کے ہنگامہ خیز سفر کا آغاز کرتی ہے اور دورِ تعمیر میں سینہ تان کر چیلنجز سے نبرد آزما ہوتی ہے۔ زمین کی وراثت درحقیقت ان کا نصیب ہوتی ہے۔

اقوام جب تک کسی اعلیٰ و بلند مقصدِ حیات اور نصب العین کو حاصل کرنے کی راہ پر گامزن رہتی ہیں، ان کا قافلۂ حیات جذبہ و عمل میں سرگرم رہتا ہے اور وہ اپنی منزلِ مقصود کو حاصل کرنے کرنے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کرتیں۔ بالآخر وہ عروج و بلندی اور ترقی سے ہمکنار ہوتی ہیں لیکن جونہی وہ اپنے نصب العین کو بھلا دیتی ہیں، ان کا جذبہ عمل سرد پڑ جاتا ہے اور وہ قوت و ہمت سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ نتیجتاً زوال و تنزل ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

جب عروج حاصل ہو جائے تو پھر اسے برقرار رکھنا آسان نہیں ہوتا ہے کیونکہ دورِ عروج میں قوم کے افراد، سہولت پسند، سست اور کاہل ہو جاتے ہیں اور وہ محنت سے جی چراتے لگتے ہیں پھر بلند نظر افراد کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ قوم کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں عیش و عشرت کے ہاتھوں زنگ آلود ہو جاتی ہیں اور عظیم اور باوقار سلطنت کی بقا اور استحکام کے لیے جو صلاحیتیں ضروری ہوتی ہیں وہ ناپید ہونے

ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز منہاج یونیورسٹی لاہور

لگتی ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم دوسری اقوام کی توانائیاں اپنے دفاع کے لئے مستعار لیتی ہے۔ ممکن ہے اس عمل سے کسی بھی قوم کی ڈوبتی کشتی کو وقتی سہارا مل بھی جاتا ہو لیکن یہ اس کے زوال کی سب سے بڑی علامت ہے۔

یاد رکھیں! کسی بھی قوم کا نہ تو عروج اتفاقی ہوتا ہے اور نہ ہی زوال حادثاتی ہوتا ہے بلکہ عروج بھی فطرت کے قوانین کا پابند ہوتا ہے اور زوال بھی قدرت کے ازلی اصولوں کے تحت۔ جو قوم صالح، نیک اور پرہیزگار ہوگی، وہ زمین کی وارث ہوگی اور جو صالح نہ رہے گی تو ملک وسلطنت اور خلافت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ ذیل میں اقوامِ عالم کے عروج وزوال کے چند اسباب ذکر کیے جا رہے ہیں:

ا۔ عروج کی بنیاد: حسن اخلاق

قوموں کے عروج کا سنگ بنیاد اخلاق پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ دنیا میں ان اقوام کو عروج وبلندی عطا کی ہے جو اخلاق کے لحاظ سے دوسری اقوام سے بہتر ہوں اور لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہوں۔ قرآن مجید میں؛ امیر کی اطاعت، امانتوں کی پاسداری ایفائے عہد، بہادر و شجاعت، سچائی، رحمدلی، رواداری، توکل واعتماد، احتسابِ نفس وخودداری، دشمن سے اچھا سلوک، عدل وانصاف، حیاء وشرافت، نیکی سے محبت، بدی سے نفرت وغیرہ، غیبت نہ کرنا، چوری نہ کرنا، دوسروں کو اچھے القابات سے پکارنا اور ان جیسے دیگر اخلاقی اوصاف کا ذکر مختلف مقامات پر جابجا ملتا ہے۔

قوموں کی ترقی نہ مادی ترقی کی فراوانی سے ہوتی ہے اور نہ صرف عقل ودماغ کی ترقی سے بلکہ اس کے لیے اخلاق کی ضرورت ہے۔ لوگوں کی مدد کرنا، مسکینوں ومظلوموں کی فریادرسی کرنا، جدوجہد سے جی نہ چرانا وغیرہ یہ وہ تمام اوصاف ہیں جو کامیاب قوم بننے کے لیے ناگزیر ہیں۔ یاد رکھیں! ہر قوم میں انقلاب وتغیرات صرف اخلاق کے ذریعے ہوتے ہیں اور وہی ان کے مستقبل کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں ۔جب کسی قوم کا شیرازہ اخلاق درہم برہم ہو جاتا ہے تو وہ قوم مر جاتی ہے۔ تمام قومیں صرف اخلاق ہی کے ذریعہ حرکت کرتی ہیں، صرف غور وفکر سے دنیا کا کام نہیں چلتا ہے۔

جس طرح اقوام کے عروج واقبال کا سنگ بنیاد اخلاق کو گردانا جاتا ہے، اسی طرح زوال کی بنیاد بھی بداخلاقی پر استوار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قوموں کی بربادی اور ہلاکت کا سبب بداخلاقی کو قرار دیا ہے۔ جو قومیں اپنی سلطنت اور ملک سے بہت مخلص ہوں اور وہ اخلاقی اقدار کو اپنا لیں تو اللہ رب العالمین کا یہ اصول ہے کہ وہ ایسی قوموں کو ترقی وعروج دیتا ہے اور جب کوئی قوم فسق وفجور میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس کا قانون فطرت حرکت میں آتا ہے اور وہ اس قوم کو تباہ کر دیتا ہے۔

جب حکمران طبقہ اور قوم کے باثروت لوگ بے حیائی، خود غرضی، ہوس، لالچ، عیش پرستی، لذت پرستی، بدعنوانی و بے ایمانی جیسی غلیظ عادات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر ان کو چھوڑتے نہیں بلکہ ڈٹے رہتے ہیں تو یہ فسق و فجور کی حالت و کیفیت عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہوتی ہے۔

قوم لوط اخلاقی دائرے کو پار کرکے بے حیائی میں آخری حد تک گئے تو خدا نے ان پر اپنا غضب نازل کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہمیشہ ناپ تول میں کمی کرتی تھی لیکن توبہ و ندامت کے باعث وہ بچ گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کی بھی اقوام تعیش پسندی و تفاخر میں مبتلا تھیں۔ جو بھی قومیں حرام کمائی سے مال و زر جمع کرتی رہی ہیں اور غرور و تکبر میں گم تھیں، تباہی و ہلاکت کے وقت اس سامان نے ان کا ساتھ نہ دیا اور وہ نیست و نابود ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کی تباہی کی ایک وجہ بدعہدی اور فسق بھی بیان کی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ۔ (الاعراف، ۷: ۱۰۲)

”اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد (کا نباہ) نہ پایا اور ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے نافرمان ہی پایا۔“

بنی اسرائیل میں جب برائیاں پھیلیں تو اللہ نے ان پر فرعون کو مسلط کر دیا اور پھر فرعون کو اس کا ظالمانہ رویہ اور تکبر لے ڈوبا۔

۲۔ اجتماعیت واتحاد

قوموں کے عروج کا دوسرا بنیادی سبب اجتماعیت و اتحاد ہے۔ کوئی بھی کام چاہے وہ انقلابی ہو یا پھر اصلاح کا، اجتماعیت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔ قوم کی اصلاح و تنظیم کے لیے اتحاد اور اجتماعیت کا ہونا لازمی ہے۔ جب تک کسی بھی قوم کے افراد کے خیالات و عقائد میں عمومیت اور اتحاد نہ ہو اس وقت تک اقوام ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ م بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ۔

” اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور جب ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکیں اس کے بعد بھی اختلاف کرنے لگے۔“ (آل عمران، ۳: ۱۰۵)

سابقہ اقوام کے حالات اس بات پر شاہد ہیں کہ جو قومیں نااتفاقی اور مختلف فرقوں میں بٹ جاتی ہیں، وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہیں اور صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہیں۔ بنی اسرائیل کی تباہی کی وجہ بھی نااتفاقی اور تفرقہ بازی تھی۔ جب ان کا اختلاف شدت اختیار کر گیا تھا تو اس اختلاف و انتشار

کے باعث ان کی دینی اور اخلاقی زندگیاں مختلف خرابیوں کی آماجگاہ بن گئیں۔ پھر اللہ نے ان کی ظاہری قوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اللہ کا یہ اٹل قانون ہے کہ جو قوم بھی آپس میں متحد نہیں رہتی، اس کے لیے صفحہ ہستی سے مٹنا لازمی ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کی نااتفاقی ان کی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ آپس میں عداوت وحسد اور کینہ رکھنے لگے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کم تر اور لاجواب ظاہر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ جب قومیں اپنی ساری توانائیاں ایسے فضول کاموں پر خرچ کر دیتی ہیں تو دشمن طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر پاتیں یہاں تک کہ نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اخوت پیکر بننے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (الحجرات، ۴۹: ۱۰)

”بات یہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

۳۔ غور و فکر کرنے کی بجائے جذبات پرستی

قوموں کے زوال کا ایک سبب غور و فکر اور عقل کے حریف ہو جانا ہے اور ایسے ادب و فنون میں دلچسپی لینا ہے جس کی بنیاد جذبات پر رکھی گئی ہو۔ قرآن مجید نے ایک مہذب معاشرے کے انسان کے لئے ضابطہ حیات پیش کیا۔ انہیں وہ تمام اصول بیان کئے گئے ہیں جو ایک پسماندہ قوم کو ترقی کی راہ دکھانے کے لئے ضروری ہیں۔ قرآن نے صرف عبادات پر ہی زور نہیں دیا بلکہ صنعت و حرفت تجارت وغیرہ میں وہ تمام اصول بیان کئے ہیں جو انسان کے امن کے لیے ضروری ہیں۔ قرآن نے فلسفہ یا سائنس کا کوئی جامع نظریہ پیش نہیں کیا کیونکہ نظریات تو بدلتے رہتے ہیں، لیکن ایک ہمہ گیر فلسفہ حیات اور نظریہ کائنات پیش کیا جس کی صداقت ازلی بھی ہے اور ابدی بھی۔ قرآن مجید نے اسلاف پرستی، روایت پرستی اور تنگ نظری کی شدید مخالفت کی۔ انسان کو ہدایت دی کہ وہ دنیا کی سیر کرے۔ قدرت کی نشانیوں کو دیکھے اور ان پر غور و فکر کر کے عقل سے نتائج اخذ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۔

”کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں۔“ (محمد، ۴۷: ۲۵)

اللہ کے نزدیک غور و فکر کرنے والے لوگوں کا مقام ان لوگوں سے زیادہ ہے جو غور و فکر کی بجائے اندھی تقلید اپناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کامیاب ہونے کے لیے غور و فکر اور سمجھ بوجھ کو استعمال کرنے کا

قرآن مجید میں جگہ جگہ حکم دیا ہے۔

۴۔ عروج وزوال کے عملی اصول

کسی انسان کے سامنے اگر کوئی ایسا مقصد ہو جس کو وہ حاصل کرنا چاہتا ہو، اس کے حصول کے لیے وہ دن رات جستجو وجدوجہد کرتا ہو، اس شے کا مل جانا، اس انسان کی زندگی کا نصب العین ہو اور نہ ملنا موت وتباہی کے برابر ہو، پھر انسان اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے ان قوانین اور ضوابط کی پیروی کرے گا جو اس مقصد کو پانے میں انسان کی مدد کریں۔ یہی معاملہ اقوام وملل کے ساتھ بھی ہے۔ اقوام کو اپنے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لیے چند شرائط وقیود کو قبول کرنا پڑتا ہے ورنہ وہ ذلت وانحطاط کے گڑھے میں جا گرتی ہیں۔ قرآن مجید نے اقوام کے قومی واجتماعی اعلیٰ مقاصد کے لیے کچھ شرائط وحدود مقرر کی ہیں جب تک وہ شرائط نہ پوری کی جائیں، اقوام کامیابی سے محروم رہتی ہیں اور یہی ان کی رسوائی وذلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عروج وزوال کے درج ذیل عملی اصول بیان فرمائے ہیں:

ا۔ کسی بھی قوم کی اصلاح وتنظیم کا پہلا اصول ایمان ہے۔ ایمان سے مراد وہ نظریات اور قوانین وضوابط ہوتے ہیں جن پر کسی بھی قوم کی تحریک کی بنیاد رکھی گئی ہو۔ ایمان کا مطلب صرف زبان سے یا چند ظاہری اعمال سے کسی عقیدہ کی تصدیق کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں انسان اپنی مرضی، خواہش حتیٰ کہ اپنی ذات کو اس عقیدے کے مالک کے ارادے پر چھوڑ دیتا ہے جس پر وہ ایمان لایا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ (الحجرات، ۴۹: ۱۴)

”دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، آپ فرمادیجیے، تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔“

ایمان کا مطلب کامل درجہ یقین، بھروسہ اور محبت ہے۔ جب تک کامل درجہ کا اقرار انسان کے دل میں پیدا نہیں ہوتا، وہ اللہ کی صداقت وسچائی اور اللہ کے قوانین واصولوں پر کامل یقین اپنے قلوب میں پیدا نہیں کر سکتا، تب تک انسان کے لیے کامیابی کا کوئی دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اگر شک کا ایک کانٹا بھی دل کے اندر چبھ رہا ہو تو انسان کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

قوموں کو جب کامل یقین، حد درجہ کا بھروسہ اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے تبھی وہ اپنی منزل مقصود کو حاصل کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی ایسی اقوام کو تباہ کر دیا ہے جو خالص ایمان نہیں لائے تھے اور اللہ کے احکامات کو دل سے قبول نہیں کیا۔ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ م بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔

(یونس، ۱۰: ۱۳، ۱۴)

”اور بے شک ہم نے تم سے پہلے (بھی بہت سی) قوموں کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا، اور ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایمان لاتے ہی نہ تھے، اسی طرح ہم مجرم قوم کو (ان کے عمل کی) سزا دیتے ہیں۔ پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں (ان کا) جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ (اب) تم کیسے عمل کرتے ہو۔“

۲۔ کسی بھی قوم کی ترقی اور اصلاح کا دوسرا سبب عمل صالح ہے۔ اس سے مراد کسی بھی کام کو ایسے سرانجام دینا جس طرح اس کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ وہی اقوام اور افراد کامیابی و کامرانی سے سرفراز ہوں گے جو کامل ایمان کے ساتھ عمل صالح کریں گی۔ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ م بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔

(الانبیاء، ۲۱: ۱۰۵)

”اور بلا شبہ ہم نے زبور میں نصیحت کے (بیان کے) بعد یہ لکھ دیا تھا کہ (عالمِ آخرت کی) زمین کے وارث صرف میرے نیکوکار بندے ہوں گے۔“

جس طرح دنیا میں کوئی بھی شخص اپنا کاروبار یا اپنے ہاں ملازمت کسی نا اہل شخص کے سپرد نہیں کرتا تو اس بات کی کیسے توقع رکھی جائے کہ دنیا کے کارخانہ کا انتظام کسی نا اہل قوم کے سپرد کیا جائے گا۔ وعملوا الصلحٰت سے مراد یہی ہے کہ دنیا میں وہی انسان اور اقوام ترقی و فتح مندی اور کامیابی کی منزلیں طے کر سکتی ہیں جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جو بھی عمل و سعی کریں، وہ صالح ہو۔

۳۔ اقوام کے عروج و زوال کا تیسرا اصول صبر ہے۔ انسان جب اپنے ایمان کے مطابق اپنے اعمال سرانجام دیتا ہے اور پھر اسے تکمیل تک پہنچانے کے لیے جدوجہد کرتا ہے، اس دوران اسے راستے میں بہت سی رکاوٹیں آتی ہیں جن کو برداشت کرنا اور اپنے مقصد پر ڈٹے رہنا صبر کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ (البقرہ، ۲: ۴۵)

”اور صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ سے) مدد چاہو۔“

دنیا میں سرفرازی واقبال کی منزلوں پر ٹھہرے رہنے کے لیے صبر کا مقام اونچا ہے۔ یاد رکھیں! کسی بھی عظیم انسان کو عظیم مادی وسائل اور ظاہری ذرائع نہیں بناتے بلکہ اس کے پیچھے ذہنی رجحان اور فکر مستقیم ہوتی ہے۔ جو انسان کے جسم خاکی میں بے بہا عمل کی روح پھونک دیتی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید انسانوں پر یقین کامل، پختہ عزم اور عمل پیہم کی ہدایت کرتا ہے اور ان سب کے حصول کے لیے استقامت اور صبر کے ساتھ حق پر ڈٹے رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صرف استقامت کی تلقین نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو بھی صبر و بہادری کی طرف لانے کی سخت تاکید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے صبر کی وجہ سے بلندی و سرفرازی عطا کی۔ ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔ (السجدہ، ۳۲: ۲۴)

”اور ہم نے ان میں سے جب وہ صبر کرتے رہے کچھ امام و پیشوا بنا دیے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے رہے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔“

جب کوئی قوم قیام وبقا کی جدوجہد شروع کرتی ہے تو نئے تقاضے اور نئے مطالبے سامنے آتے ہیں۔ پرانی چیزیں چھوڑنی اور نئی چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ میدان میں مخالفین بھی موجود ہوتے ہیں جن سے ہر موڑ، ہر ٹکراؤ اور ہر موقع پر مخالفت ہوتی ہے۔ نئی نئی تکلیفوں اور مصیبتوں سے مقابلہ ہوتا ہے، پس ان حالات میں جو قوم جس قدر ہمت اور صبر کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتی ہے، اسی قدر اسے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ الہامی کتب سے انحراف وانکار

اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں میں کسی نہ کسی صورت میں اپنے احکامات و پیغامات پہنچائے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اللہ کے نازل کردہ احکامات کا انکار کیا گیا، ان میں تحریف کی گئی تو زوال ان امتوں کے لئے لازمی قرار پایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۔ (البقرہ، ۲: ۸۷)

”تو کیا (ہوا) جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس وہ (احکام) لایا جنہیں تمہارے نفس پسند نہیں کرتے تھے تو تم (وہیں) اکڑ گئے اور بعضوں کو تم نے جھٹلایا اور بعضوں کو تم قتل کرنے لگے۔“

مسلمانوں نے بھی جب جب قرآنی احکامات سے رو گردانی کی تو تباہی کی طرف ہی دھکیلے گئے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ یرفع ھذا الکتاب اقواما و یضع بہ آخرین۔

"اللہ تعالیٰ اقوام کو اس کتاب پر عمل کرنے سے بلند کرے گا اور (نہ کرنے پر) اس سے ہی پستی میں ڈال دے گا۔"

۶۔ نعمتوں کی قدر عروج اور نعمتوں کی ناشکری ذریعہ زوال

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو چلانے کے لیے کچھ اصول و ضوابط بنائے ہیں جنہیں اللہ کی سنت یا پھر دستور الٰہی کہا جاتا ہے۔ ان اصولوں پر چلنے میں کائنات کی بقا ہے اور نہ ماننے میں ہلاکت و بربادی ہے۔ ان میں ایک اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو عزت و بلند اقبال اور ترقی و عروج جیسی نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ قوم اگر ان عزتوں اور کرامتوں کا خود کو اہل ثابت کرتی ہے تو پھر ترقی کی منزلیں با آسانی طے کرتی جاتی ہیں لیکن اگر وہ اپنے اعمال و کردار سے خود کو اس کے قابل نہ کر پائیں اور اس کے اطوار اس شرف کے خلاف ہو جائیں تو پھر اللہ ان سے عزتوں اور عروج کے تاج چھین لیتا ہے۔ عزتوں اور بلندیوں کو قائم رکھنے کے لیے قوموں کو قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ جب قومیں سستی اور تساہل پسندی کو اپناتی ہیں اور ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتیں، پھر تباہی ان کا مقدر لکھ دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام کے لئے ایک ہی اصول مقرر کر دیا ہے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ جو بھی قوم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر بجا لائے اور اس کا حق بھی ادا کرے تو وہ دنیا کی امام اور باوقار قوم ٹھہرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ لا وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (الانفال، ۸: ۵۳)

" یہ (عذاب) اس وجہ سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو ہرگز بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم پر ارزانی فرمائی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ از خود اپنی حالتِ نعمت کو بدل دیں (یعنی کفرانِ نعمت اور معصیت و نافرمانی کے مرتکب ہوں اور پھر ان میں احساسِ زیاں بھی باقی نہ رہے تب وہ قوم ہلاکت و بربادی کی زد میں آ جاتی ہے) بے شک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔"

پس اپنی جملہ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اپنی پوری صلاحتیں بروئے کار لا کر اپنے فرائض کو سر

انجام دینا اور اپنے عہدہ و منصب کا ناجائز فائدہ نہ اٹھانا، شکر ہے اور ان ذمہ داریوں سے انحراف کرنا اور اپنے عہدہ و منصب کو اپنے ذاتی مفادات کے لیے استعمال کرنا، کفرانِ نعمت ہے۔

جب انسان اپنے مقصد کو بھلا کر اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، ظلم و فساد پھیلاتا ہے تو خدا ان سے عزتیں چھین لیتا ہے۔ یہی معاملہ اقوام کے ساتھ بھی ہے۔ اگر علم و حکمت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں تو خلقِ خدا کو ان سے فائدہ پہنچانا نعمت کا شکر اور قدر ہے۔ اس کے برعکس اگر تعلیم کو صرف دولت و شہرت کے حصول ذریعہ بنایا جائے تو یہ کفران نعمت ہے، جس کی اسلام ہر گز اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ قوموں کی نعمتوں کو انتقام کے ساتھ اسی وقت چھینتا ہے جب اس قوم میں معصیت اور فساد آ جاتا ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو قوموں کو تباہ کر دیتی ہیں۔

۷۔ ناقص نظام تعلیم

کسی بھی سلطنت قوم اور فرد کی زندگی میں اقبال و عروج کے لیے علم نہایت لازمی تصور گردانا جاتا ہے۔ جب قومیں ایسے علوم سے کنارہ کر لیتی ہیں جو ان کی بقا اور عزت و جلال کے ضامن ہوں تو پھر تباہی ان کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک اقوام اپنی مفید تعلیمی سرگرمیوں پر اپنی توانیاں خرچ کرتی رہی ہیں، وہ عروج و اقبال کی بلندیوں پر بسیرا کرتی رہی ہیں لیکن جب وہ اپنا وقت بے کار مشاغل میں صرف کرنے لگ جائیں تو ضلالت و تباہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتی ہیں۔ روما سلطنت کا شمار عظیم سلطنتوں میں ہوتا تھا۔ اس میں علم و فضل اور تہذیب و تمدن کی ایسی کرنیں پھوٹیں کہ مشرق و مغرب کی سلطنتوں کو منور کر دیا۔ لیکن جب ان کا نظام تعلیم بدلا پھر اس کو کوئی بھی زوال سے نہ بچا سکا۔ جو شیلی تقریریں اور شعر و شاعری کی طرف امراء اور طالبعلموں کا رجحان ہو گیا۔ سائنس و ٹیکنالوجی، فلسفہ، ریاضی اور تاریخ جیسے مضامین کو پس پشت کر دیا گیا۔ تعلیم غلاموں کے سپرد کر کے جب امراء صرف رنگین محلوں میں عیش و عشرت کے لیے رہ جائیں تب تباہی کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔

مقفیٰ نثر، مترنم شعر، فقرے بازی، چٹکلے اور دل آویز تقاریر کے ذریعے بادشاہوں اور امراء خوش ہوتے تھے۔ لہذا ذہین افراد کی توجہ اسی کام کی طرف مبذول ہو گئی اور ارسطو کا فلسفہ بھی نہ سمجھ سکی۔ برصغیر میں بھی مسلمانوں کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا۔ امراء اور بادشاہ طبقہ سرور کی کیفیت میں رہتے۔ جدید علوم سے بے اعتنائی، خطابت اور شعر و شاعری کے شوق نے ان کو ساری دنیا میں ذلیل کروایا۔ کوئی بڑا سائنسدان پیدا نہ ہوا۔ نہ فلسفی اور نہ کوئی ماہر اقتصادیات اور نہ ہی سیاستدان جو وقت کی نزاکت کو بھانپ سکے۔ پھر بیرونی حملوں نے سلطنتوں کو تباہ کر دیا۔

خلاصۂ کلام

کائنات کا یہ نظام جو مروج ہے ایک حکیم و دانا خالق کی تصویر کشی ہے۔ اس کامل اور حسین کائنات کی جس طرح اس عظیم نے نقاشی کی ہے، اسی طرح اس کی بقا استمرار کے لیے اپنی حکمت سے کچھ قواعد و ضوابط اور اصول وضع کئے ہیں، انھیں الٰہی زبان، سنت اللہ اور فطرتِ الٰہی کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اقوام کا عروج اپنی ذات سے اٹھ کر دوسروں کے لیے جینے میں رکھا ہے۔ جو قومیں دوسروں کو نفع پہنچاتی ہیں، عدل و انصاف پر مبنی قوانین پر عمل کرتی ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی ہیں، وہ عظمتوں اور عزتوں کی بلندیوں پر فائز رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نصب العین کی خاطر جان تک کو قربان کرنے والوں کے لیے فتح مقرر کر رکھی ہے۔ صبر و استقامت سے اپنے مقصد پر ڈٹے رہنا قوموں کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس سے ان کے دلوں میں یقین جیسی قوت پیدا ہوتی ہے اور یہ یقین انہیں ان کی منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس جو قومیں دوسروں پر ظلم کرتی ہیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے سے پہلو تہی کرتی ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں میں حد سے تجاوز کرتی ہیں، وہ تباہ و برباد اور ذلت سے ہمکنار ہوتی ہیں۔ اتحاد کا فقدان ہو جانا اور اللہ کی نعمتوں پر ناشکری کرنا اقوام کو زوال کی طرف لے جاتا ہے۔

جو اقوام دوسروں پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتی ہیں اور اپنی حالت کو خود بدلنے کی کوشش نہیں کرتی پھر اللہ بھی ایسی اقوام کی تباہ حالی کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ طبقہ اشرافیہ کا عیش و عشرت میں مگن ہونا، ان کی قوم کے سب لوگوں کو لے ڈوبتا ہے۔ وہ لوگ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ان کو دنیا میں یونہی آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، وہ جو کچھ چاہیں کریں، ان سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سائنسی علوم اور جدید ٹیکنالوجی سے غفلت برتنے والوں کو برباد کیا اور کائنات میں غور و فکر کرنے والے اور تحقیق میں ہمہ تن مصروف رہنے والی اقوام کو زندہ رکھا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اٹل قونین ہیں جن سے کسی بھی قوم کو استثناء حاصل نہیں۔ ان پر عمل کرنے میں انسانوں، اقوام اور تہذیبوں کا عروج ہے اور ان سے غفلت برتنا تباہی و بربادی کا سبب ہے۔

تیرا حوالہ دیا نہ جائے تو زندگی معتبر نہ ٹھہرے

ڈاکٹر فرح ناز

امسال یکم رمضان کی بابرکت ساعتیں اور 19 فروری کا روشن دن جو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا یوم ولادت ہے، ایک ہی دن آئے۔ یوں رحمت کے مہینے کی ابتداء اور ایک مردِ علم و اخلاص کی نسبت نے اس دن کو نور پر نور بنا دیا۔ گویا رمضان المبارک کی برکتیں اور فکر و نسبت کی خوشبو ایک ہی دن میں سمٹ آئی ہوں۔

ہمارے شیخ !"ایک زندہ روایت، ایک جاری تحریک اور مجدد عصر کی صورت میں ایک عہدِ نو کی تجدید" ہیں۔ کچھ شخصیات تاریخ کا حصہ نہیں بنتیں، وہ خود تاریخ کا دھارا موڑ دیتی ہیں۔ کچھ نام محض نام نہیں ہوتے، وہ فکر، مزاج اور عہد کی علامت بن جاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک ہمہ جہت، ہمہ گیر اور عہد ساز شخصیت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ہے، جنہیں دنیا شیخ الاسلام کے لقب سے جانتی ہے اور ہم کارکن انہیں اپنے فکری و روحانی رہبر کے طور پر پہچانتے ہیں۔

یہ تحریر کسی مرحوم کی یادگار نہیں، بلکہ ایک زندہ مشن، ایک متحرک تحریک اور ایک جاری عہد کی تجدید کا اظہار ہے۔

خلوص کی وہ راہ جس پر دھند نہیں چھائی

شیخ الاسلام کی زندگی کا سب سے روشن پہلو ان کا اخلاص ہے۔وہ جس راہ پر بھی چلے، جس میدان میں بھی اترے، اور جو کام بھی کیا۔ وہ کسی ذاتی مفاد، وقتی مقبولیت یا سیاسی مصلحت کے لیے نہیں بلکہ خالص نیت اور واضح مقصد کے ساتھ تھا۔ان کے سفر میں شہرت کی چمک نہیں بلکہ خدمت کی روشنی ہے۔ان کی جدوجہد میں وقتی نعروں کی گونج نہیں بلکہ اصولوں کی استقامت ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر کام میں ایک روحانی شفافیت اور فکری پاکیزگی محسوس ہوتی ہے۔جیسے نیت کی صفائی نے عمل کو بھی نورانی بنا دیا ہو۔

وہ جس میدان میں بھی اترے — چاہے علم ہو، دعوت ہو، تنظیم ہو یا عالمی مکالمہ — وہاں ان کی نیت کی پاکیزگی، ارادوں کی پختگی اور مقصد کی بلندی نمایاں رہی۔ان کا سفر مفاد کا نہیں، مشن کا سفر ہے۔ان کا انداز شہرت کا نہیں، خدمت کا ہے۔ان کی جدوجہد وقتی مقبولیت کے لیے نہیں، دائمی اثر کے لیے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر قدم میں ایک روحانی سنجیدگی اور فکری شفافیت دکھائی دیتی ہے — جیسے نیت کی پاکیزگی نے راستوں کو بھی روشن کر دیا ہو۔

علم کا وقار، عمل کی حرارت

شیخ الاسلام کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انھوں نے علم کو صرف کتابوں میں محفوظ نہیں رکھا بلکہ اسے معاشرے کی اصلاح اور امت کی بیداری کا ذریعہ بنایا۔ان کی تصنیفات کی تعداد ہو یا خطابات کی وسعت — ہر جگہ ایک منظم فکر،

ایک مربوط نظامِ استدلال اور قرآن و سنت سے جڑا ہوا علمی اسلوب نمایاں نظر آتا ہے۔انہوں نے عقیدہ، فقہ، تصوف، سیرت، بین المذاہب ہم آہنگی، انتہا پسندی کے رد اور جدید ریاستی تصورات تک ہر موضوع پر ایسی گفتگو کی جس میں روایت کی گہرائی اور معاصر شعور کی وسعت یکجا ہو گئی۔

دعوت جو لاٹھی سے نہیں، رحمت سے چلتی ہے

آپ کی فکر کا مرکزی نکتہ یہ رہا کہ اسلام جبر نہیں، جذب ہے؛ تصادم نہیں، توازن ہے؛ اور شدت نہیں، شفقت ہے۔اسی اصول پر انہوں نے عالمی سطح پر امن، اعتدال اور مکالمے کی دعوت دی۔جب دنیا اسلام کو شدت کے آئینے میں دیکھ رہی تھی تو شیخ الاسلام نے علمی دلائل اور فکری استحکام کے ساتھ بتایا کہ اسلام کی اصل روح رحمت، عدل اور انسانیت کی تکریم ہے۔

تحریک کا شعور، تنظیم کا وقار

شیخ الاسلام کی قیادت میں قائم ہونے والی منہاج القرآن انٹرنیشنل محض ایک تنظیم نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر تعلیمی، فکری، اخلاقی، معاشرتی اور عملی تحریک ہے۔یہ تحریک مدارس، کالجز، یونیورسٹیز، فلاحی اداروں، یوتھ فورمز اور خواتین ونگز کے ذریعے اسلام کی نشاۃ ثانیہ، محمدی معاشرے کا قیام اور ایک متوازن اسلامی شخصیت کی تعمیر نو کا کام کر رہی ہے۔

ہم جیسے کارکنوں کے لیے یہ محض وابستگی نہیں بلکہ ایک شعوری انتخاب ہے۔کیونکہ یہاں فرد کی اصلاح، معاشرے کی تعمیر اور امت کی بیداری تینوں پہلو یکجا نظر آتے ہیں۔

زندہ شخصیات کا اعتراف: ایک تہذیبی ضرورت

ہم عموماً اپنے محسنوں کو ان کے وصال کے بعد یاد کرتے ہیں، ان کی خدمات کو بعد میں سراہتے ہیں مگر شیخ الاسلام کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ زندہ شخصیات کی قدر کرنا، ان کے کام کو آگے بڑھانا اور ان کے مشن کا حصہ بننا ہی اصل خراجِ تحسین ہے۔ان کی سالگرہ دراصل ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک فکر کی تجدید کا دن ہے۔یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ علم کو کردار میں ڈھالنا ہے۔۔۔دعوت کو اخلاق کے ساتھ جوڑنا ہے۔۔۔اور انقلاب کو دلوں سے شروع کرنا ہے۔

کارکن کی نظر سے: ایک عہد کی تجدید

میں بطور ایک ادنیٰ کارکن یہ محسوس کرتی ہوں کہ شیخ الاسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کارکن کو صرف ہدایت نہیں دیتے بلکہ اسے اعتماد بھی دیتے ہیں۔۔۔ وہ صرف نظریہ نہیں دیتے بلکہ کردار بھی بناتے ہیں۔۔۔وہ صرف منزل نہیں دکھاتے، سفر کا سلیقہ بھی سکھاتے ہیں۔

• ان کی زندگی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ اگر نیت خالص ہو، فکر واضح ہو اور نظم مضبوط ہو تو ایک فرد بھی تحریک بن سکتا ہے۔اسی لیے "تیرا حوالہ..." ایک کارکن کی نہ صرف کیفیت ہے بلکہ اس کا مکمل تعارف ہے۔

بطور ایک ادنیٰ کارکن، میں یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ جب ہم اپنی جدوجہد، اپنی دعوت یا اپنے فکری مؤقف کا ذکر کرتے ہیں تو اگر اس کے پیچھے شیخ الاسلام کی تربیت، ان کی فکر اور ان کے مشن کا حوالہ نہ ہو تو وہ بات ادھوری سی محسوس ہوتی ہے۔

کیونکہ انہوں نے ہمیں نیت کی اصلاح سکھائی۔۔۔ نظم کی پابندی سکھائی۔۔۔ علم کو عمل میں ڈھالنا سکھایا۔۔۔

اسی لیے دل یہ کہتا ہے کہ "تیرا حوالہ دیا نہ جائے تو زندگی معتبر نہ ٹھہرے" یہ حوالہ شخصیت پرستی کا نہیں بلکہ اصول پرستی کا ہے۔یہ تعلق فرد سے بڑھ کر، ایک روشن اور منور فکر سے ہے۔۔۔ یہ وابستگی جذبات کی نہیں، شعور کی ہے۔

تجدیدِ عہد

شیخ الاسلام کی سالگرہ محض عمر کے ایک سال بڑھنے کا نام نہیں، بلکہ ہمارے لیے عہد کی تجدید کا موقع ہے۔یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم بھی اپنے اندر وہی خلوص پیدا کریں۔۔۔ ہم بھی اپنی دعوت میں وہی توازن اختیار کریں۔۔۔اور ہم بھی اپنی زندگی کو مقصد سے جوڑ دیں۔ شیخ الاسلام کی سالگرہ محض ایک مبارک دن نہیں، بلکہ یہ اپنے عہد کی تجدید، اپنی ذمہ داری کے احساس اور اپنے کردار کی اصلاح کا موقع ہے۔

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو صحت، عافیت اور مزید علمی و روحانی برکات عطا فرمائے، ان کے اخلاص کو قبول فرمائے اور ہمیں ان کے مشن کا سچا، باعمل اور مخلص سپاہی بنائے۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

یہ تیرے پُراسرار بندے

امجد حسن چودھری

اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے اور حضرت انسان نے دنیا میں بے پناہ ترقی کی ہے اور ترقی کی منزلیں سر کر رہا ہے۔ اس کی جستجو کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر وقت نئی کھوج میں لگا رہتا ہے۔ وہ یہ ساری کاوشیں اپنی زندگی کو پر سکون بنانے کے لئے کرتا ہے، اس سکون کو پانے کے لئے وہ کبھی کبھی وہ کام بھی کر جاتا ہے جس کی ملامت اس کا ضمیر بھی کر رہا ہوتا ہے لیکن وہ خواہشات کے اندھے گھوڑے پر سوار ہو کر چلتا ہی جاتا ہے، اس لیے کہ اس کا مقصد صرف زندگی میں سکون کی تلاش ہوتا ہے۔

لیکن خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ والوں کی صحبت میسر آجاتی ہے۔ یہ صحبت ایسے ہی نہیں مل جاتی بلکہ انسان کو یہ صحبت تب تک میسر نہیں آسکتی جب تک اس کے اندر اس کی طلب نہ ہو۔ اگر طلب پیدا ہو جائے تو پھر انسان جستجو میں لگ جاتا ہے۔ یہ راستہ بھی اتنا آسان نہیں ہوتا بلکہ اس راہ میں کئی مشکلات آتی ہیں۔ اس میں یقین کا بڑا کردار ہوتا ہے کیونکہ یقین بھی ایک منزل ہے۔ جب انسان یقین کی منزل پا لیتا ہے تو بالآخر وہ اس ہستی تک پہنچ جاتا ہے جس کی اسے جستجو ہوتی ہے۔ یقین کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ شیطان ہے۔ یہ حضرت انسان کو طرح طرح کی سوچوں میں ڈال کر وسوسے پیدا کر دیتا ہے۔

اپنی مراد یعنی اللہ والوں کو پالینے کے بعد انسان اسی کا ہو جاتا ہے بشرطیکہ یقین کامل ہو۔ یہی حال کچھ منہاج القران کے کارکنان کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک الگ سوچ، الگ فکر اور انوکھا کردار عطا کیا ہے جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ سچ پوچھیں تو یہ ایک الگ مخلوق لگتی ہے۔ اس لئے کہ انہیں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں ایک ایسا قائد اور شخصیت مل گئی ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اس شخصیت نے اپنے کارکنان میں کردار کی وہ خوشبو پیدا کردی ہے جو انھیں اپنے رب کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ میں نے ان کارکنان میں اپنے قائد کی یہ خوشبو محسوس کی ہے۔ آیئے! کارکنانِ تحریک کی چند خصوصیات اور صفات کا تذکرہ کرتے ہیں:

ا۔ کردار

اللہ تعالیٰ نے کارکنان تحریک منہاج القرآن کو وہ کردار عطا کیا ہے کہ ان میں قائد کے کردار کی جھلک نظر آتی ہے۔ زبان میں مٹھاس، چہرے پہ مسکراہٹ، دل آئینے کی طرح صاف، بے لوث خدمات کا جذبہ، ہمہ وقت ایک دوسرے کی مدد کے لئے تیار، جذبہ احساس سے سرشار، اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے ہر وقت کچھ نیا کرنے اور نیا سوچتے رہنا حتی کہ کردار ایسا کہ کسی سے غلطی تو ہو سکتی ہے مگر ان میں کوئی بے ایمان، دھوکہ باز نہیں۔

۲۔ اخلاق وروحانیت

اللہ تعالیٰ نے کارکنانِ تحریک منہاج القرآن کو کیا خوب اخلاق عطا کیے ہیں، ان کی زبان سے کبھی گالی نہیں سنی۔ زبان میں مٹھاس، مسکرا کر بات کرنا، الفاظ کا چناؤ خوبصورت اور انداز گفتگو نہایت شاندار، بات کریں تو نہایت ادب اور شائستگی سے۔

- میں نے اکثر و بیشتر اپنے تحریکی دوستوں کو باوضو پایا ہے۔ یہ اللہ کا وہ فضل ہے جو وہ اپنے محبوب بندوں پر کرتا ہے جس سے وہ بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔ یہ سب قائد کی نظر کا فیض اور اللہ والوں کی صحبت کا اثر ہے۔
- شیخ الاسلام نے گوشہ درود قائم کر کے اپنے کارکنان میں ایک نئی جہت اور نئی سوچ پیدا کر دی جس کی بدولت تحریک سے جڑا ہر شخص ہمہ وقت درود پاک کے ورد میں مصروف عمل رہتا ہے۔ اس کی زبان پہ درود پاک کے گجرے ہر وقت جاری وساری رہتے ہیں۔ یوں اس کا تعلق گنبد خضرا کے مکیں سے مسلسل قائم رہتا ہے جو کسی سعادت سے کم نہیں۔

- ایک دوسرے کا ادب، دوسروں کی تعظیم، بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ ہمیشہ ادب سے پیش آنا، منہاج القرآن کے کارکنان کا وہ عظیم سرمایہ ہے جو انھیں اپنے قائد سے ملا ہے۔

۳۔ دین کی خدمت کا جذبہ

ہر کارکن دین کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہے۔ اس دور میں جہاں انسان بہت سارے مسائل میں گھرا ہوا ہے اور اس کے لئے زندگی گزرنا مشکل ہو گیا ہے، اس کے باوجود ہر کارکن ہر وقت اللہ کے دین کی سربلندی کے جذبہ سے سرشار ہے۔ اپنا وقت نکالتا ہے، اپنی جیب سے خرچ کرتا ہے اور کچھ تو ایسے بھی ہیں جو دین اور مشن کی خدمت کے لئے قرضہ بھی اٹھا لیتے ہیں، لیکن مشنِ مصطفوی کے کام میں کسی مشکل کو نہیں آنے دیتے۔ منہاج القران کے ورکرز اپنے کام سے عقیدت رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کو وہ بڑے سے بڑا پروگرام بھی نہایت شاندار طریقے سے انجام دیتے ہیں۔

۴۔ تنظیمی نظم وضبط

تنظیمی نظم تحریک کے لوگوں کا خاصہ ہے۔ ہر کام نظم وضبط سے ہوتا ہے۔ پروٹوکولز کا باقاعدہ خیال رکھا جاتا ہے جس سے تحریک کے کام میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ تحریک ایک باقاعدہ مرتب کردہ نظام کے مطابق چل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے سے بڑے پروگرامز جیسے دروس قران، میلاد کانفرنس، اعتکاف نہایت احسن طریقے سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔

ان کارکنان تحریک کی آپس میں کوآرڈینیشن بھی بے مثال ہے۔ کام ایک دوسرے کی مشاورت سے کیا جاتا ہے، ہر ایک کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے اور جس کو جو کام دیا جاتا ہے وہ اسے من وعن قبول کرتا ہے اور اسے سعادت سمجھ کر سرانجام ہے۔

۵۔ عمل کے پیکر

منہاج القران کے ورکرز میں ایک انفرادیّت یہ بھی ہے کہ وہ خیالات کو عمل میں لاتے ہیں۔ اور اس کو زمین پر زندہ کرتے ہیں۔ وہ ہمہ وقت ان سرگرمیوں میں مصروفِ عمل رہتے ہیں:

۱۔ اسلامی تعلیم کا فروغ، بین المذاہب ہم آہنگی، اخلاقی، روحانی اور سماجی اصلاح، دعوت، مطالعاتی حلقے، تقریبات اور ذاتی طرز عمل کے ذریعے عوام الناس تک مشنِ مصطفوی کا پیغام پہنچانا۔

۲۔ مختلف سرگرمیوں جیسے قرآن وحدیث کی کلاسز، مراکزِ علم، کانفرنسز، میلاد کی محفلیں، قومی ومذہبی تقریبات، فلاحی سرگرمیاں اور کمیونٹی سروس۔

۳۔ کارکن قیادت اور عوام کے درمیان ایک کڑی کا کام کرتے ہیں۔ وہ قیادت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور شہر، قصبے اور گاؤں کی سطح پر لوگوں کو متحرک کرتے ہیں۔

۴۔ منہاج القرآن کا کارکن صرف ایک منتظم نہیں بلکہ ایک رول ماڈل ہے۔ نظم و ضبط، اخلاقیات اور اسلامی کردار، ذاتی اصلاح امن، رواداری اور خدمت کی زندہ مثال۔ ذاتی تبدیلی منہاج القرآن کے فلسفہ میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

۵۔ زیادہ تر کارکنان رضاکارانہ طور پر خدمت کرتے ہیں۔ وقت، مہارت اور وسائل دیتے ہیں۔ تعلیمی تعاون، سماجی بہبود، ڈیزاسٹر ریلیف اور کمیونٹی کی مدد اور خدمت کا جذبہ ہر ایک کے ہمیشہ پیشِ نظر رہتا ہے۔

منہاج القرآن کے کارکنان (رفقا/ممبران/رضاکار) بنیادی طور پر پوری تحریک منہاج القرآن میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ منہاج القرآن کے کارکنان کو خلوص، نظم وضبط اور خدمت پر مبنی ذہنیت کے نایاب امتزاج کی وجہ سے بڑے پیمانے پر سراہا جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام

- منہاج القرآن کے کارکنان شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے وژن کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ ان کا کام صرف تنظیمی نہیں ہے بلکہ نظریاتی اور روحانی ہے۔ وہ حقیقی طور پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ علم، امن اور اصلاح کے ذریعے اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔
- ایک نمایاں خوبی، ان کا سیکھنے اور سکھانے سے محبت کرنا ہے۔ وہ قرآن و حدیث کی تعلیم، کردار کی تعمیر اور انتہا پسندی کے خلاف بیداری کے لیے ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ یہ فکری نقطہ نظر ان کے کام کو متوازن اور معتبر بناتا ہے۔
- منہاج القرآن کے کارکنان امن، رواداری اور بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے جانے جاتے ہیں۔ وہ تشدد اور انتہا پسندی کو سختی سے مسترد کرتے ہیں۔ مکالمہ اور باہم گفتگو پر زور دیتے ہیں جو آج کی دنیا میں خاص طور پر قابل قدر ہے۔
- زیادہ تر کارکن خالصتاً رضاکارانہ بنیادوں پر خدمات انجام دیتے ہیں۔ وہ پہچان، شہرت یا انعام کی توقع کیے بغیر وقت، توانائی اور وسائل کی قربانی دیتے ہیں۔ یہ بے لوث خدمت ان کی سب سے قابل تعریف خصلتوں میں سے ایک ہے۔
- تقریبات، اجتماعات اور فلاحی منصوبے اچھی طرح سے منظم ہوتے ہیں، جو پیشہ ورانہ مہارت اور کمال درجہ کے ٹیم ورک کو ظاہر کرتے ہیں۔

مذہبی کاموں کے علاوہ بھی وہ سماجی اور انسانی خدمت مثلاً: فلاحی پروگرام، آفات سے نجات، خون کے عطیات اور میڈیکل کیمپ وغیرہ کی صورت میں سرگرم عمل ہوتے ہیں۔

- وہ مستقل مزاجی سے کام کرتے ہیں، اکثر پردے کے پیچھے، شہرت کی تلاش کے بغیر مصروفِ عمل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تنقید یا چیلنجز کے باوجود صبر کرتے ہیں اور طویل مدتی اصلاحات پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔
- منہاج القرآن کے کارکنوں کی سب سے متاثر کن خوبی یہ ہے کہ وہ روحانیت، علم، نظم وضبط اور خدمت کی عظیم مثال ہیں۔ ذاتی فائدے کے لیے نہیں بلکہ افراد اور معاشرے کی بہتری کے لیے کام کرنا، ان کا مطمع نظر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو سلامت رکھے، ہمیشہ خوش رہیں۔ اسی جذبہ سے سرشار رہیں، اپنے قائد کا دست و بازو بنیں، اپنی صفوں میں دراڑ نہ آنے دیں اور ایک فیملی اور ایک ٹیم کی طرح آگے بڑھتے رہیں۔

تجدید واحیائے دین، دعوت وتبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج واقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیرسرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128
0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740
Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ مصر

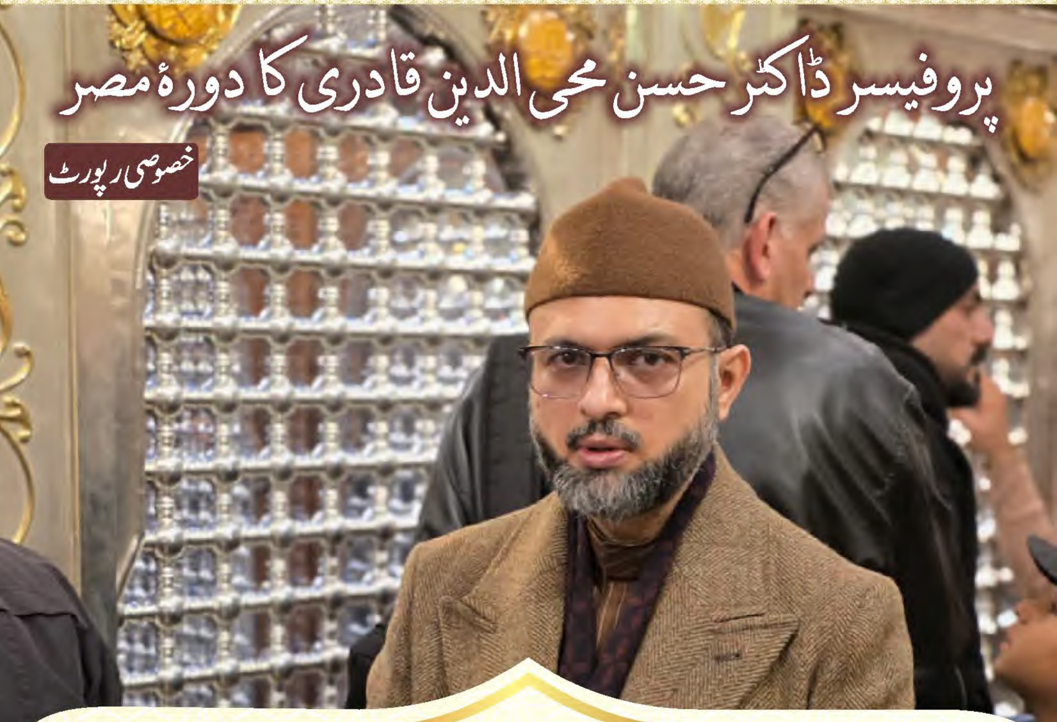

خصوصی رپورٹ

موجودہ دور جہاں ٹیکنالوجی کی برق رفتار ترقی اور مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کے غلبہ کا دور ہے، وہیں مسلم امہ کو ایسے علمی و فکری راہنماؤں کی ضرورت ہے جو جدید علوم اور اسلامی اقدار کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کر سکیں۔ اسی تناظر میں چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل، پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا حالیہ دورۂ مصر علمی و سفارتی میدان میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دورے کا بنیادی مقصد بین الاقوامی کانفرنسز میں شرکت، عالمِ اسلام کی مقتدر علمی شخصیات سے ملاقاتیں اور جدید دور کے پیچیدہ مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کرنا تھا۔ مصر، جو کہ صدیوں سے اسلامی علم و فن کا گہوارہ رہا ہے، وہاں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی علمی پذیرائی اس بات کا ثبوت ہے کہ تحریکِ منہاج القرآن کا فکر اعتدال اور جدیدیت کا حسین امتزاج ہے۔

ا۔ وزارتِ اوقاف مصر کی 36 ویں بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت اور خصوصی خطاب

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے حکومتِ مصر کی دعوت پر وزارتِ اوقاف کی 36 ویں بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی۔ کانفرنس کا اہتمام وزارتِ اوقاف مصر نے سپریم کونسل برائے اسلامی امور کے تعاون سے "اسلام میں پیشہ ورانہ

اخلاقیات، اثرات اور مصنوعی ذہانت کے دور میں ان کا مستقبل" کے عنوان سے قاہرہ میں کیا تھا، جس میں ممتاز علماء اور مفکرین کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کانفرنس میں "مصنوعی ذہانت کے دور میں کاروباری پیشوں کی اخلاقی اقدار: مقاصدِ شریعہ اور جدید ٹیکنالوجی کے چیلنجز کے تناظر میں ایک مطالعہ " کے عنوان سے معرکۃ الآراء مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنے بصیرت افروز خطاب میں جدید ٹیکنالوجی کے دور میں اسلامی تناظر کو مستحکم کرنے کے راستے متعین کرتے ہوئے کہا کہ

مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) اپنی تمام تر تجزیاتی رفتار اور درستی کے باوجود کبھی انسانی ضمیر، اخلاقی اقدار اور اسلامی شریعت کا متبادل نہیں بن سکتی۔ یہ محض ایک آلہ (Tool) ہے جسے ایک ایسے اعلیٰ نصاب اور ضابطے کے تابع ہونا چاہیے جو اس کے راستے کی اصلاح کرے اور اس کے نتائج کی درست سمت میں رہنمائی کرے۔ ہماری اسلامی تہذیب کا یہ نقطۂ نظر 'مقاصدِ شریعہ' کی نمائندگی کرتا ہے، جو تکنیکی مہارت اور اخلاقی ذمہ داری کے درمیان توازن قائم کرتا ہے۔"

آپ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں خودکار فیصلوں کو حلال و حرام کے میزان اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے ترازو میں تولنا ہوگا۔ یہ طرزِ عمل جدید ٹیکنالوجیز کو الگور تھم

کے ذریعے قیمتوں میں ہیرا پھیری، اشتہارات کے ذریعے گمراہی، صارفین کے رویوں کے استحصال اور خودکار فیصلوں میں شفافیت کی کمی جیسے منفی رجحانات سے روکتا ہے۔

آپ نے شرکاء کو ایک بنیادی سوال کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہ کہ "ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ ہماری منڈیوں (Markets) کی قیادت کس قسم کی ذہانت کو کرنی چاہیے؟ کیا وہ ذہانت جو صرف اعداد و شمار کی زبان اور محض مادی منافع کو جانتی ہو؟ یا وہ ذہانت جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایات سے مستنیر ہو، جس کی بنیاد عدل، دیانت اور انسانی وقار کے تحفظ پر ہو؟ یقیناً مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ مارکیٹوں کی قیادت 'نبوی اقدار' کی روح کے سپرد ہونی چاہیے، جہاں مارکیٹ عبادت گاہ بن جائے، تجارت ضمیر کی جگہ ہو اور ٹیکنالوجی امانت داری کا مظہر بن جائے۔ تاکہ ہم مصنوعی ذہانت کے دور میں محمدی ﷺ سچائی اور مدینہ کی پہلی ریاست کے اخلاقی اصولوں کے ساتھ داخل ہو سکیں۔"

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنے تحقیقی مقالے کے اختتام پر درج ذیل عملی تجاویز پیش کرتے ہوئے کہا:

۱۔ ڈیجیٹل تجارت اور مصنوعی ذہانت کے لیے ایک منضبط قانون ساز اور اخلاقی ڈھانچہ تیار کرنا ناگزیر ہے جو شفافیت کو فروغ دے، صارفین کا تحفظ کرے اور لالچ، الگورتھم کے ذریعے قیمتوں میں ہیرا پھیری اور ڈیجیٹل اجارہ داری کو روکے۔

۲۔ ڈیجیٹل کرنسیوں اور مالیاتی ٹیکنالوجیز کے لیے واضح قوانین بنائے جائیں تاکہ منی لانڈرنگ اور غیر قانونی تنازعات کا مقابلہ کیا جا سکے۔

۳۔ قانون، ٹیکنالوجی اور معاشیات کے ماہرین پر مشتمل مشترکہ ادارے بنائے جائیں جو ڈیجیٹل مارکیٹوں کی کارکردگی کا سراغ لگائیں اور انحراف کی صورت میں ادارہ جاتی علاج فراہم کریں۔

۴۔ اخلاقی اور تعلیمی بحالی کے لیے اسلامی تجارتی اخلاقیات، ڈیٹا کے استعمال کے اصول اور مصنوعی ذہانت کے موضوعات کو یونیورسٹیوں اور ٹیکنیکل کالجز کے نصاب میں شامل کیا جائے۔

۵۔ تاجروں اور پیشہ ور افراد کے لیے خصوصی تربیتی پروگرام ترتیب دیے جائیں تاکہ اداروں کے اندر 'حلال گورننس' اور سماجی ذمہ داری کا احساس مضبوط ہو۔

۶۔ عصرِ حاضر کی معیشت اور سمارٹ کنٹریکٹس (Smart Contracts) پر جدید اجتہادی تحقیق کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۷۔ جامعہ الازہر جیسے بڑے ادارے ایسے 'مراکزِ فضیلت (Centers of Excellence)' قائم کریں جو پیشہ ورانہ اخلاقیات، عدل، دیانت اور میانہ روی کی اقدار کو فروغ دیں۔

۲۔ مفتیِ اعظم مصر، شیخ الازہر کے نمائندوں، جامعہ الازہر کی قیادت اور بین الاقوامی شخصیات سے خصوصی ملاقاتیں

۱۔ اس دورہ کے دوران ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے مصر کے مفتیِ اعظم ڈاکٹر نظیر محمد عیاد سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں منہاج یونیورسٹی لاہور اور دارالافتاء مصر کے درمیان علمی و تحقیقی تعاون پر گفتگو ہوئی۔ مفتیِ اعظم نے منہاج القرآن کی علمی خدمات کو سراہا اور مصنوعی ذہانت جیسے جدید مسائل پر مشترکہ فکری کام کی اہمیت پر زور دیا۔

۲۔ بعد ازاں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے جامعہ الازہر کے صدر پروفیسر ڈاکٹر سلامہ جمعہ داؤد، سابق نائب صدر ڈاکٹر محمد ابوہاشم پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد الدائم علی سلیمان الجندی سیکریٹری جنرل برائے مجمع البحوث الاسلامیہ جامعۃ الازہر، پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالرحیم البیومی سابق سیکریٹری جنرل سپریم کونسل برائے اسلامی امور، پروفیسر ڈاکٹر محمد مہنّا مشیر برائے خارجہ تعلقات شیخ جامعۃ الازہر، شیخ عفیف الدین عبد القادر منصور الکیلانی (روضۂ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے نقیب الاشراف اور عراق کے معروف مبلغِ اسلام)، چیئرمین سپریم کونسل برائے اسلامی امور مملکتِ بحرین شیخ عبد الرحمن بن محمد بن راشد آل خلیفہ اور دیگر اہم عہدیداران سے ملاقاتیں کیں۔ ان نشستوں میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتب اور علمی کام کا تعارف پیش کیا گیا، جسے جامعہ الازہر کے اساتذہ نے بے حد سراہا۔ خاص طور پر اسلامی ریسرچ اکیڈمی کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر محمد عبدالداؤد الجندی کے ساتھ ملاقات میں علمی و فکری تبادلہ خیال ہوا اور انہیں شیخ الاسلام کی تصانیف کا تحفہ پیش کیا گیا۔

۳۔ کانفرنس کی سائیڈ لائنز پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے بحرین کی سپریم کونسل فار اسلامک افیئرز کے صدر شیخ عبدالرحمان بن محمد بن راشد آل خلیفہ اور عراق سے تعلق رکھنے والے ممتاز عالمِ دین شیخ عفیف الدین عبد القادر منصور الگیلانی سے بھی ملاقات کی، جس میں عالمِ اسلام کو درپیش چیلنجز پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ان تمام ملاقاتوں کے دوران اس بات پر زور دیا کہ دارالافتاء اور منہاج یونیورسٹی جیسے اداروں کے درمیان تعاون وقت کی ضرورت ہے، تاکہ مصنوعی ذہانت جیسے سلگتے ہوئے مسائل اور جدید سائنسی ورژنوں کے بارے میں درست فہم حاصل کیا جا سکے۔ مصری دارالافتاء کا تصورات کی تصحیح اور انتہا پسندانہ افکار کے مقابلے کا تجربہ عالمی سطح پر ایک بہترین نمونہ ہے،

جسے علمی اور روحانی بنیادوں پر مزید وسعت دی جانی چاہیے۔"

۳۔ قاہرہ انٹرنیشنل بک فیئر میں شرکت اور لیکچر

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے دنیا کے بڑے ثقافتی میلوں میں شمار ہونے والے "قاہرہ انٹرنیشنل بک فیئر" (57ویں سیشن) کا دورہ کیا۔ یہاں آپ نے ایک خصوصی نشست میں "مصنوعی ذہانت کے دور میں کتاب کی اہمیت" پر علمی لیکچر دیا، جس میں کثیر تعداد میں محققین اور طلبہ نے شرکت کی۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے گفتگو کرتے ہوئے واضح کیا کہ کتاب محض معلومات کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانی شخصیت کی تعمیر اور فکر کی گہرائی کا وسیلہ ہے۔ مصنوعی ذہانت کے دور میں جہاں معلومات کی بہتات ہے، وہاں 'کتاب' مستند علم اور انسانی سوچ کو پراگندہ ہونے سے بچانے کے لیے ایک مستحکم بنیاد فراہم کرتی ہے۔

- علاوہ ازیں، آپ نے سابق مفتیِ اعظم مصر ڈاکٹر علی جمعہ کے خصوصی سیمینار "تعمیرِ انسانیت" میں بھی شرکت کی، جہاں وزیرِ اوقاف ڈاکٹر اسامہ الازہری سمیت کئی ممالک کے وزراء اور مفتیانِ کرام موجود تھے۔

۴۔ مقدس مقامات اور تاریخی آثار کی زیارت

علمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے قاہرہ میں موجود درج ذیل اہم روحانی و تاریخی مقامات پر حاضری دی:

۱۔ آپ نے قاہرہ مصر میں واقع مسجد اور مقام رأس سیدنا امام حسین علیہ السلام پر حاضری دی، نفل ادا کیے اور پاکستان کی سلامتی کے لیے دعا کی۔ وہاں موجود تبرکاتِ نبوی ﷺ (قمیص مبارک، موئے مبارک، عصائے مبارک) اور خلفائے راشدین کے دور کے نادر نسخہ ہائے قرآن کی زیارت بھی کی۔

۲۔ آپ نے سیدہ نفیسہ بنت الحسن سلام اللہ علیہا کے مزار اور مسجد پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔

۳۔ آپ نے مصر کے نئے انتظامی دارالحکومت میں تعمیر کردہ فنِ تعمیر کے شاہکار "مسجدِ مصر الکبیر" کا دورہ بھی کیا۔

۴۔ آپ نے قاہرہ میں موجود "علم فاؤنڈیشن برائے احیائے ورثہ" کا دورہ کیا جہاں 20 لاکھ سے زائد عربی و اسلامی قلمی نسخے موجود ہیں۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا یہ دورہ محض ایک روایتی دورہ نہیں تھا بلکہ یہ مشرق اور مغرب کے علمی مکالمہ کی ایک کڑی تھی۔ مصر جیسے علمی مرکز میں آپ کی بھرپور شرکت اور جدید مسائل (AI) پر آپ کا مدلل خطاب اس بات کی علامت ہے کہ منہاج القرآن کا پلیٹ فارم عالمی سطح پر اسلام کی درست اور جدید تصویر پیش کر رہا ہے۔ اس دورے کے نتیجے میں جہاں منہاج یونیورسٹی لاہور اور مصر کے علمی اداروں کے درمیان تعاون کے نئے راستے کھلے ہیں، وہاں یہ پیغام بھی عام ہوا ہے کہ اسلام ہر دور کے چیلنجز کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی ان سرگرمیوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم، اعتدال اور جدیدیت ہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر امتِ مسلمہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔

خروج طوارئ
Emergency Exit

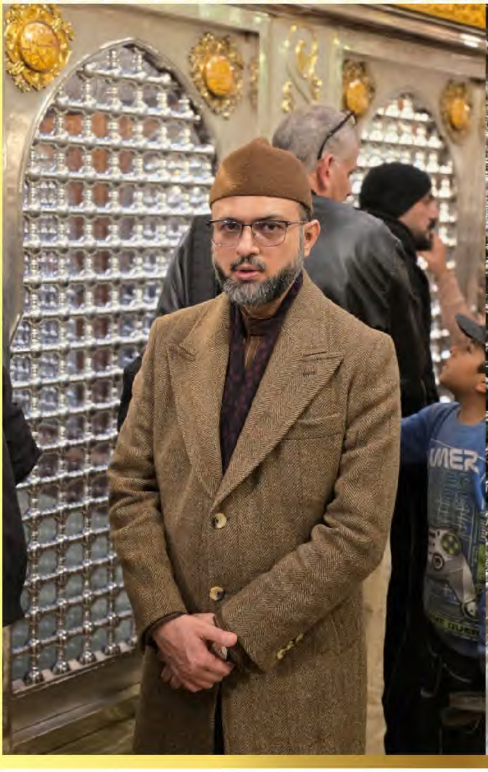

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا دورۂ ایشیئن ممالک

خصوصی رپورٹ

صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے جنوری اور فروری 2026ء میں ایشیائی ممالک (ملائیشیا، ہانگ کانگ، جنوبی کوریا اور جاپان) کا ایک انتہائی اہم اور کثیر الجہتی دورہ کیا۔ اس دورے کا مقصد "سب کے لیے تعلیم" (Education for All) کے مشن کو عالمی سطح پر اجاگر کرنا، جدید معاشی چیلنجز کا اسلامی حل پیش کرنا اور منہاج القرآن کے دعوتی و تنظیمی نیٹ ورک کو مضبوط بنانا تھا۔ یہ دورہ علم، روحانیت اور عالمی بھائی چارے کے فروغ میں ایک سنگِ میل ثابت ہوا۔

ا۔ ملائیشیا

دورۂ ایشیا کے پہلے پڑاؤ کے طور پر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری ملائیشیا پہنچے، جہاں کوالالمپور انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر ان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ صدر منہاج ایشین کونسل عبدالرسول بھٹی اور مینیجنگ ڈائریکٹر منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن فیصل حسین مشہدی کی قیادت میں وفد نے شاندار استقبال کیا۔ اس موقع پر علی رضا (صدر ملائیشیا)، امجد رضا، محمد واثق، غلام علی سولنگی، محمد عمیر القادری، طارق محمود، یاسر مقصود اور مہتاب عباسی سمیت دیگر سینئر عہدیداران بھی موجود تھے۔

۱۔ کوالالمپور میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے پاکستانی میڈیا پروفیشنلز اور سوشل میڈیا انفلوئنسرز کے ساتھ ایک انٹرایکٹو میٹنگ کی۔ آپ نے صحافیوں کے سوالات کے تفصیلی جوابات دیے اور جدید سماجی و مذہبی موضوعات پر گفتگو کی۔ اس نشست میں کمیونٹی کی ترقی، تعلیم اور معاشرے کی تعمیر میں ذمہ دار میڈیا کے کردار کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا۔ آپ نے صحافیوں کے سوالات کے جواب دیتے ہوئے دورِ حاضر کے فکری، سماجی اور مذہبی چیلنجز پر روشنی ڈالی۔ آپ نے میڈیا کے کردار پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ معاشرے کی فکری تعمیر اور عوامی شعور کی بیداری میں ذمہ دار میڈیا کا کردار ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ میڈیا کو محض خبر رسانی تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ اسے کمیونٹی کی ترقی اور تعلیمی مشن میں ایک کلیدی پل کا کردار ادا کرنا چاہیے۔"

۲۔ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے INCEIF یونیورسٹی میں ڈین ایس جی پی ایس پروفیسر ڈاکٹر منصور ابراہیم اور ایسوسی ایٹ ڈین ڈاکٹر مایا پسپا رحمان سے خصوصی ملاقات کی۔ اس ملاقات میں اعلیٰ تعلیم میں مصنوعی ذہانت (AI) کے اخلاقی استعمال کے لیے پالیسی فریم ورک کی تیاری اور منہاج یونیورسٹی لاہور کے ساتھ مشترکہ تحقیق و فیکلٹی کے تبادلے پر اسٹریٹجک تبادلہ خیال ہوا۔ INCEIF یونیورسٹی کی قیادت سے ملاقات کے دوران گفتگو کا محور "اعلیٰ تعلیم میں مصنوعی ذہانت (AI)" رہا۔ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "جدید تعلیمی

نظام میں مصنوعی ذہانت کو ضم کرنا وقت کی ضرورت ہے، لیکن اس کے لیے ایک مضبوط اخلاقی فریم ورک اور پالیسی سازی ناگزیر ہے تاکہ اس ٹیکنالوجی کا موثر اور مثبت استعمال یقینی بنایا جاسکے۔" اس ملاقات میں منہاج یونیورسٹی لاہور اور INCEIF کے درمیان مشترکہ تحقیق، فیکلٹی کے تبادلے اور نصاب کی تیاری پر بھی سیر حاصل گفتگو ہوئی۔

۳۔ یونیورسٹی کے ہال "The Lounge" میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے عالمی لیبر قوانین کا مقاصدِ شریعہ کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے ایک نہایت فکر انگیز خطاب کیا۔ آپ نے کہا کہ حقیقی خوشحالی کا ڈھانچہ اس بات پر قائم ہے کہ معاشرہ اپنے کمزور طبقات، بالخصوص محنت کشوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے۔ اسلامی معاشی نظام میں محنت کش کو محض 'فیکٹر آف پروڈکشن' (پیداواری

عنصر) نہیں بلکہ ایک 'اخلاقی امانت' (Moral Trust) سمجھا جاتا ہے۔" مزدوروں کے حقوق، مواقع کی برابری اور سماجی تحفظ ایک اخلاقی فریضہ ہے۔ آپ نے اسلامی فنانس کی صنعت کو مشورہ دیا کہ وہ محض اثاثوں کی نمو (Asset Growth) پر توجہ دینے کے بجائے ٹھوس سماجی اثرات (Social Impact) مرتب کرے اور غریب گھرانوں کی معاشی بحالی کے لیے کام کرے۔

۴۔ ملائیشیا کے تھنک ٹینک "The Future Research" میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ایک اہم نشست میں شرکت کی۔ جس میں رکنِ پارلیمنٹ جناب احمد فضلی شعری اور چیئرمین فیوچر ریسرچ محمد اجمل حافظ سمیت اہم شخصیات شریک تھیں۔ اس موقع پر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اسلامی فنانس کے ابھرتے ہوئے رجحانات پر گفتگو کی اور اپنی کتاب "Faith for a Fragile Planet" جناب احمد فضلی کو تحفتاً پیش کی۔

اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کہا کہ اسلامی مالیاتی نظام میں اخلاقی فنانس اور پائیدار ترقی کے ماڈلز کو اپنانا عالمی معاشی چیلنجز کا بہترین حل ہے۔ ہمیں تحقیق پر مبنی پالیسیاں بنانی ہوں گی جو جدید معیشت اور شریعت کے اصولوں میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ اس موقع پر آپ نے اپنی تصنیفات اور اسلامی فنانس کے حوالے سے جاری تحقیقی کام سے بھی شرکاء کو آگاہ کیا۔

۵۔ اس دورے کی ایک عظیم الشان سرگرمی منہاج القرآن ملائیشیا اور نصر القرآن کے درمیان ہونے والا معاہدہ تھا۔ اس معاہدے کے تحت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے سات زبانوں میں کیے گئے ترجمہ قرآن (عرفان القرآن) کے 2 لاکھ نسخے تقسیم کیے جائیں گے۔ تقریب میں نائب وزیر ڈاکٹر حاجی احمد بن حاجی مصلان اور سابق چیف جسٹس ملائیشیا جناب تیون رؤس نے بھی شرکت کی۔ اس پروقار تقریب میں ملائیشیا کے وزراء اور اعلیٰ قیادت سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے ترجمہ قرآن کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ آپ نے کہا کہ قرآنِ کریم کے مستند تراجم کے ذریعے اس کے حقیقی پیغام کو عام کرنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ یہ اشتراک امن، باہمی افہام و تفہیم اور اخلاقی اقدار کے فروغ کا باعث بنے گا۔" آپ نے واضح کیا کہ 7 زبانوں میں ان 2 لاکھ نسخوں کی تقسیم مختلف لسانی اور ثقافتی برادریوں کے درمیان قرآن کے پیغام کو سمجھنے میں حائل رکاوٹوں کو دور کرے گی۔

۶۔ 30 جنوری 2026ء کو کوالالمپور کے گرینڈ کانٹینینٹل ہوٹل میں "Education for all" کے عنوان سے ایک بڑا سیمینار منعقد ہوا۔ جس میں ملائیشیا کی سماجی و علمی شخصیات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے تعلیم کو معاشرتی ترقی کی بنیاد قرار دیتے ہوئے

کہا تعلیم ہی وہ بنیاد ہے جس پر سماجی ترقی اور بین المذاہب ہم آہنگی کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔ سمندر پار پاکستانی برادری کا تعلیمی منصوبوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا لائقِ تحسین ہے۔ ہمیں اپنی نسلِ نو کو علم اور کردار سازی کے ذریعے بااختیار بنانا ہو گا تا کہ وہ مستقبل کے چیلنجز کا مقابلہ کر سکیں۔

۷۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کوالالمپور، ملائیشیا کی جانب سے شبِ برات کے موقع پر منعقدہ روحانی اجتماع میں صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ایمان افروز اور فکر انگیز خطاب کیا، جس میں انہوں نے شبِ برات کی فضیلت، توبہ کی حقیقت، اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور روحانی تطہیر کے اہم موضوعات پر جامع اور مدلل روشنی ڈالی، حاضرین کو اللہ کے قریب ہونے، اپنے اعمال کی اصلاح اور روحانی زندگی کی تزکیہ کے لیے رہنمائی فراہم کی۔

۸۔ صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے سراۓ نشرالقرآن، پُتراجایا (ملائشیا) میں منعقدہ نمازِ جمعہ کے اجتماع سے خصوصی خطاب کیا۔

اپنے خطاب میں پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں اصلاحِ نفس، تقویٰ، اخلاقی تطہیر اور روحانی بیداری جیسے اہم موضوعات پر نہایت جامع اور پُراثر گفتگو کی۔

۲۔ہانگ کانگ

ملائیشیا کا دورہ مکمل کر کے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری ہانگ کانگ پہنچے، جہاں ایئرپورٹ پر حاجی قمر زمان منہاس، حاجی نجیب اور حافظ محمد نسیم نقشبندی نے وفد کے ہمراہ ان کا استقبال کیا۔

ا۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل ہانگ کانگ کے زیرِ اہتمام پاکستان کلب میں Education for all "سب کے لیے تعلیم" کے عنوان سے ایک پروقار سیمینار منعقد ہوا، جس میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کلیدی خطاب کیا۔ آپ نے علم کی سماجی اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا تعلیم محض ڈگری کے حصول کا نام نہیں، بلکہ یہ معاشرے کی فکری اور اخلاقی بنیادوں کو استوار کرنے کا واحد راستہ ہے۔ معیاری اور ہمہ گیر تعلیم تک رسائی ہر فرد کا بنیادی حق ہے، اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر بین المذاہب ہم آہنگی اور عالمی امن کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔ آپ نے ہانگ کانگ میں مقیم پاکستانی برادری کی تعلیمی اور فلاحی کوششوں کو سراہتے ہوئے انہیں اپنے بچوں کی کردار سازی پر خصوصی توجہ دینے کی تلقین کی۔

سیمینار میں صدر منہاج ایشن کونسل عبد الرسول بھٹی، مینیجنگ ڈائریکٹر منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن فیصل حسین مشہدی، صدر منہاج القرآن کوئینز لینڈ آسٹریلیا میاں محمد واثق، سعید الدین، الیاس ایلیکس، ڈاکٹر رضوان اللہ، علامہ نسیم نقشبندی، علامہ حافظ ظہیر احمد، علامہ احمد جمال ناصر، ندیم حسین، کمیونٹی لیڈرز اور علماء کرام نے خصوصی شرکت کی۔

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ہانگ کانگ میں ''منہاج القرآن کی تعلیمی اور فلاحی خدمات'' عنوان سے منعقدہ ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ منہاج یونیورسٹی کے قیام کا بنیادی مقصد انسانی وسائل (Human Resource Development) کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنا ہے جس کی پاکستان کو اشد ضرورت ہے۔ گزشتہ 40 برسوں کے دوران منہاج یونیورسٹی لاہور سے 50 ہزار سے زائد طلبہ و طالبات تعلیم حاصل کر کے ملک و قوم کی خدمت میں مصروفِ عمل ہیں۔ منہاج یونیورسٹی محض ایک تعلیمی ادارہ نہیں بلکہ ایک سوچ، نظریہ اور تحریک کا نام ہے۔

سیمینار میں سرپرست منہاج القران ہانگ کانگ حاجی قمر الزمان منہاس نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، نائب صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل محمد حفیظ نے نقابت کے فرائض سر انجام دیئے۔

۳۔ 3 فروری 2026ء کو ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اس کالج میں طلبہ سے "ڈیجیٹل سونامی اور ڈیجیٹل توازن" کے موضوع پر خطاب کیا۔ تھا۔ آپ نے شارٹ ویڈیوز اور مسلسل ڈیجیٹل نوٹیفیکیشنز کے نقصانات سے آگاہ کیا اور "محاسبہ" کے اصول کے تحت ٹیکنالوجی کے درست استعمال کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ جدید دور میں شارٹ ویڈیوز کی لت اور مسلسل ڈیجیٹل نوٹیفیکیشنز انسانی توجہ، گہری سوچ اور ذہنی و روحانی سکون کو بری طرح متاثر کر رہے ہیں۔ اس 'ڈیجیٹل سونامی' سے بچنے کے لیے ہمیں اپنی زندگیوں میں توازن پیدا کرنا ہوگا۔ آپ نے طلبہ کو 'محاسبہ' (Self-accountability) کے اسلامی اصول کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ٹیکنالوجی کے ذمہ دارانہ استعمال کو اپنی عادت بنائیں۔ آپ نے نصیحت کی کہ اسکرین کے سامنے حد سے زیادہ وقت گزارنے کے بجائے اللہ کی بنائی ہوئی حقیقی دنیا میں وقت گزاریں، جسمانی کھیلوں میں حصہ لیں اور بامعنی انسانی رشتے استوار کریں تاکہ ان کی جسمانی اور اخلاقی نشو و نما متوازن طریقے سے ہو سکے۔

۴۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کے صدر پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی جامع مسجد کولون ہانگ کانگ میں منعقدہ "تقریبِ تقسیم اسناد" میں خصوصی شرکت

کی۔ تقریبِ تقسیمِ اسناد سے پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے قرآنِ مجید کے ساتھ تعلق کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ تقریب میں صدر ملی مجلس سیرت ہانگ کانگ مفتی محمد ارشد، منہاج القرآن ہانگ کانگ کی قیادت علماء کرام، کمیونٹی رہنما اور دیگر احباب نے شرکت کی۔ کورس میں 150 مرد اور خواتین نے شرکت کی۔ اس کورس کے شرکاء کو ترجمہ القرآن کورس کی تکمیل پر سرٹیفکیٹس دیئے گئے۔ علامہ حافظ محمد نسیم نقشبندی منہاجین نے تقریب کا تعارف کروایا۔

۵۔ پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے منہاج القرآن اسلامک سنٹر سن پو کونگ میں کمیونٹی کے اراکین، سنٹر کے عہدیداران، علماء کرام، رفقاء و اراکین سے ملاقات کی۔ اسلامک سنٹر میں منعقدہ تربیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امتِ مسلمہ مختلف ادوار میں فکری و عملی تقسیم کا شکار رہی ہے، مگر اعتدال پر قائم طبقے سے وابستگی اللہ کی خاص نعمت ہے۔ اس موقع پر چند احباب کو لائف ممبرشپ سرٹیفکیٹس پیش کیے اور سنٹر کے امام سید تنویر حسین شاہ کو خصوصی مبارکباد دی۔ علامہ حافظ محمد نسیم نقشبندی نے خطبۂ استقبالیہ دیتے ہوئے معزز مہمان کا خیر مقدم کیا۔

۶۔ منہاج القرآن اسلامک سنٹر کھوائی چنگ، ہانگ کانگ میں شبِ برات کے روحانی اجتماع سے صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے فکر انگیز خطاب کیا۔ اجتماع میں بڑی تعداد میں کارکنان اور مقامی کمیونٹی نے شرکت کی۔ خطاب میں باطنی جہاد، محاسبۂ نفس، توبہ، روحانی پاکیزگی اور رمضان و شعبان کی روحانی اہمیت پر جامع رہنمائی دی گئی، جبکہ شبِ برات کو مغفرت، رحمت اور رجوع الی اللہ کی عظیم رات قرار دیا گیا۔

اجتماع میں صدر منہاج ایشن کونسل عبد الرسول بھٹی، صدر منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن انٹرنیشنل فیصل حسین مشہدی، میاں محمد واسق، سرپرست ایم کیو آئی ہانگ کانگ حاجی قمر منہاس، صدر ہانگ کانگ حاجی نجیب، حفیظ، منہاج القرآن ہانگ کانگ کے تمام EC ممبرز، ممبرز ایشین کونسل، سکالرز MQ علامہ حافظ محمد نسیم نقشبندی، علامہ حافظ

محمد ظہیر نقشبندی، علامہ حافظ سید تنویر حسین شاہ، علامہ حافظ محمد طیب شمیم اور منہاج القرآن کے لائف ممبرز کے ساتھ ساتھ دیگر کمیونٹی کے احباب نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

اس موقع پر ڈائریکٹر منہاج القرآن ایسوسی ایشن ہانگ کانگ محترم راشد اور محترم طارق محمود آسی کو اُن کی تنظیمی خدمات پر شیلڈز اور منہاج القرآن کی لائف ممبرشپ لینے والے احباب کو اسناد سے نوازا گیا۔

۷۔ پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اپنے دورہ ہانگ کانگ کے دوران منہاج القرآن اسلامک سنٹر چھنگی پہنچے جہاں منعقدہ تربیتی نشست سے انہوں نے خصوصی خطاب کیا۔ اپنے خطاب میں انہوں نے امام غزالیؒ کی سیرت و فکری ارتقا کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اختتام پر پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ترجمۂ قرآن کورس کے شرکاء اور منہاج القرآن کے لائف ممبرز میں سرٹیفکیٹس تقسیم کیے۔

۸۔ ہانگ کانگ میں قیام کے دوران ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے منہاج القرآن انٹر نیشنل ہانگ کانگ کی ایگزیکٹو کونسل اور مقامی علمائے کرام کے ساتھ اہم نشستیں کیں۔ ان نشستوں میں مفتی محمد ارشد (صدر ملی مجلسِ سیرت ہانگ کانگ) ڈاکٹر محی الدین نحوی (امام جامع مسجد کولون ہانگ کانگ) اور علامہ حافظ محمد نسیم نقشبندی سمیت دیگر مقتدر علماء شریک تھے۔ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: "علماء کا کردار مسلم کمیونٹی کی درست سمت میں رہنمائی کے لیے انتہائی کلیدی ہے۔ ہانگ کانگ جیسے کثیر الثقافتی معاشرے میں ہمیں اتحاد، میانہ روی اور صحیح اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے مربوط کوششیں کرنی ہوں گی۔" ان ملاقاتوں میں ہانگ کانگ کے اندر منہاج القرآن کے تعلیمی، فلاحی اور دعوتی نیٹ ورک کو مزید مضبوط بنانے کے لیے مستقبل کے لائحہ عمل پر بھی تفصیلی مشاورت کی گئی۔ دورے کے اختتام پر حاجی قمر زمان منہاس اور چوہدری نجیب کی قیادت میں وفد نے ڈاکٹر صاحب کو ایئرپورٹ سے جنوبی کوریا کے لیے رخصت کیا۔

۳۔ جنوبی کوریا

ہانگ کانگ سے روانگی کے بعد ڈاکٹر حسین محی الدین قادری جنوبی کوریا پہنچے، جہاں ایئرپورٹ پر منہاج کمیونٹی اور پاکستانی برادری نے ان کا فقید المثال استقبال کیا۔ استقبالیہ وفد کی قیادت سرپرست منہاج ایشین کونسل میاں علی عمران اور صدر منہاج القرآن جنوبی کوریا شہزاد علی بھٹی کر رہے تھے۔ اس موقع پر حافظ عبدالوحید، شفیع خان، قاضی جاوید اقبال، اسرار الحق، چوہدری محمد جمیل، عقیل مجاہد اور حافظ محمد اشرف گجر سمیت کثیر تعداد میں رفقاء وار اکین موجود تھے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو گلدستے پیش کیے۔

ا۔ 7 فروری 2026ء کو انچیون (Incheon) میں پاکستان بزنس ایسوسی ایشن کوریا نے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کے اعزاز میں ایک پروقار عشائیے کا اہتمام کیا۔ تقریب کی نظامت ڈاکٹر میاں صابر حسین نے کی، جبکہ ایسوسی ایشن کے چیئرمین مدثر علی چیمہ اور مرکزی قیادت بشمول میاں شکیل اور حاجی محمد کاظم نے ڈاکٹر صاحب کا استقبال کیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے پاکستانی تاجروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا سمندر پار مقیم پاکستانی کاروباری شخصیات پاکستان کا اصل اثاثہ اور ملک کا مثبت چہرہ ہیں۔ آپ کی محنت نہ صرف پاکستان کی معیشت کے لیے اہم ہے بلکہ آپ مذہبی، سماجی اور فلاحی میدانوں میں بھی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ نے اس بات کو واضح کرتے ہوئے کہا: "ہمیں کمیونٹی کے اندر اتحاد، رواداری، باہمی احترام اور مثبت اقدار کو فروغ دینا چاہیے۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل اور پاکستان بزنس ایسوسی ایشن کے درمیان تعاون مستقبل میں پاکستانی برادری کی فلاح و بہبود کے لیے مزید سنگِ میل ثابت ہوگا۔"

تقریب میں مینجنگ ڈائریکٹر منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن فیصل حسین، میاں محمد واثق، میاں علی عمران، مدثر علی چیمہ، قدوس بھٹی، ملک مظہر، شہزاد علی بھٹی، حافظ عبدالوحید،

چوہدری جمیل، قاضی جاوید، اسرار الحق، عقیل مجاہد اعوان، زاہد سلہری، عتیق الرحمن، گلفام ارشد، شفیع خان، حافظ اشرف، فیضان چھینہ سمیت پاکستانی کمیونٹی، بالخصوص پاکستان بزنس ایسوسی ایشن کے نمائندگان، منہاج ایشین کونسل، منہاج القرآن انٹرنیشنل کوریا اور زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ معزز شخصیات نے شرکت کی۔

۲۔ جنوبی کوریا میں قیام کے دوران ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے "ایجوکیشن فار آل" کے مشن کے تحت ایک خصوصی نشست میں شرکت کی۔ اس پروگرام میں آپ نے تعلیم کی آفاقی اہمیت پر روشنی ڈالی اور شرکاء کے سوالات کے سیر حاصل جواب دیے۔ آپ نے اپنے فکری نکات بیان کرتے ہوئے کہا کہ تعلیم ہی وہ واحد راستہ ہے جس کے ذریعے ہم اپنی آنے والی نسلوں کو بدلتے ہوئے عالمی حالات کے مطابق تیار کر سکتے ہیں۔ ہمارا مشن صرف خواندگی نہیں بلکہ ایسی تعلیم فراہم کرنا ہے جو کردار سازی اور اخلاقی اقدار سے لیس ہو۔

۳۔ "میٹ اینڈ گریٹ" سیشن کے بعد ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے مقامی اور پاکستانی میڈیا سے گفتگو کی۔ آپ نے جنوبی کوریا میں مقیم پاکستانیوں کے مسائل، تعلیم کی ضرورت اور دورِ حاضر کے چیلنجز پر گفتگو کی۔ آپ نے میڈیا نمائندگان کو تلقین کی کہ وہ معاشرے کی فکری اصلاح کے لیے اپنا

مثبت کردار ادا کرتے رہیں۔ آپ کی گفتگو کو شرکاء نے بصیرت افروز اور حوصلہ افزا قرار دیا، جس سے کوریا میں مقیم پاکستانی برادری کے اندر ایک نیا ولولہ پیدا ہوا۔

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے مسجد الحرمین منہاج القرآن اسلامک سینٹر انچھن سٹی میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے منہاج القرآن انٹرنیشنل کی علمی، روحانی اور فلاحی خدمات اور امت مسلمہ کی فکری، تعلیمی، سماجی اور روحانی میدان میں خدمات کو بیان کیا۔

۴۔ جاپان

دورۂ ایشیا کے آخری پڑاؤ کے طور پر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری جاپان پہنچے، جہاں ٹوکیو ایئرپورٹ پر ملک ممتاز، معاذ اعجاز، عبدالرحیم آرائیں، حسن عمران اور دیگر اراکین نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ بعد ازاں، جب آپ ٹاکاساکی اسٹیشن (Gunma-ken) پہنچے تو وہاں امیر منہاج القرآن جاپان علامہ نفیس حسین قادری کی قیادت میں وارث قادری، محمد حفیظ، عبدالقدوس بھٹی اور دیگر رفقاء نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔

ا۔ جاپان کے علاقے تویاما (Toyama-ken) میں ایک نہایت پر اثر روحانی اجتماع منعقد ہوا، جس میں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے "رجوع الی اللہ" کے موضوع پر رقت آمیز خطاب کیا۔

آپ نے انسانی زندگی کے حقیقی مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: "توبہ اور اللہ کی طرف رجوع ہی وہ راستہ ہے جو انسان کو حقیقی قلبی سکون اور روحانی پاکیزگی عطا کرتا ہے۔ ہمیں اپنی زندگیوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے تابع کرنا ہوگا تاکہ ہم دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کر سکیں۔"

پروگرام میں میاں علی عمران سرپرست منہاج ایشین کونسل، فیصل حسین مینیجنگ ڈائریکٹر منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن، صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل جاپان، ملک ممتاز، خواجہ عمر، میاں محمد واثق، طیب شیرازی، معاذ اعجاز، رفاقت خان، ندیم خان سمیت مقامی کمیونٹی اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی معزز شخصیات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے جامع مسجد معصومیہ ایسے ساکی، جاپان میں نمازِ جمعہ کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اپنے خطاب میں انہوں نے دینی و اخلاقی اقدار، معاشرتی ہم آہنگی اور امتِ مسلمہ کے اتحاد و یکجہتی پر خصوصی زور دیا اور عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات اپنانے کی تلقین کی۔

نمازِ جمعہ کے اجتماع میں میاں علی عمران سرپرست منہاج ایشین کونسل، فیصل حسین مینیجنگ ڈائریکٹر منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن، خواجہ عمر، معاذ اعجاز، حسن عمران، فہیم بٹ، عبد الحفیظ، عبد القدوس بھٹی، خاور کلے اور حافظ محمد احمد سمیت مقامی کمیونٹی اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی معزز شخصیات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

۳۔ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے منہاج یوتھ کوآرڈینیشن کونسل جاپان کے عہدیداران کے ساتھ ایک اہم میٹنگ کی، جس میں صدر یوتھ کونسل حسن عمران نے جاری سرگرمیوں پر بریفنگ دی۔ آپ نے نوجوانوں کی کارکردگی کو سراہتے ہوئے انہیں مستقبل کے حوالے سے قیمتی تنظیمی ہدایات دیں اور ان کے جذبے کی تعریف کی۔

۴۔ 13 فروری 2026ء کو ڈسٹرکٹ ایباراکی (Ibaraki) کے بینکویٹ ہاؤس "ALIMOR" میں ایک عظیم الشان سیمینار منعقد ہوا۔ اس پروگرام میں جاپان بھر سے پاکستانی کمیونٹی اور سماجی شخصیات نے شرکت کی۔ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اپنے خطاب میں تعلیم کو عالمی امن اور بین المذاہب ہم آہنگی کی بنیاد قرار دیتے ہوئے کہا کہ "معیاری اور ہمہ گیر تعلیم تک رسائی ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ تعلیم صرف معلومات کا نام نہیں بلکہ یہ معاشرے کی ترقی اور انسانی کردار سازی کا بنیادی ذریعہ ہے۔ سمندر پار پاکستانیوں کو چاہیے کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو علم اور مضبوط کردار کے زیور سے آراستہ کریں تاکہ وہ عالمی سطح پر اسلام اور پاکستان کا نام روشن کر سکیں۔"

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا یہ کثیر الجہتی دورۂ ایشیا علمی، دعوتی اور تنظیمی لحاظ سے بے پناہ کامیاب رہا۔ ملائیشیا میں قرآن کی اشاعت کے معاہدوں سے لے کر ہانگ کانگ میں "ڈیجیٹل سونامی" سے آگاہی، کوریا میں بزنس کمیونٹی کی فکری رہنمائی اور جاپان میں روحانی بیداری کے پیغامات تک، اس دورے نے ثابت کیا کہ تحریکِ منہاج القرآن دورِ حاضر کے جدید مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ اس دورے کے ثمرات نہ صرف مقامی کمیونٹیز کے لیے مشعلِ راہ ہوں گے بلکہ یہ عالمی سطح پر امن، رواداری اور تعلیم کے فروغ میں ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوگا۔

LAHORI COFFEE & DONUTS POINT

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے صدر پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا اعزاز "یونیسکو چیئر برائے تعلیمِ امن و بین الثقافتی مکالمہ" تفویض

اقوام متحدہ کی طرف سے یہ پہلی چیئر ہے جس کا اعزاز پاکستان کے حصے میں آیا

UNESCO Chair on Peace, Education & Intercultural Dialogue

صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل اور ڈپٹی چیئرمین بورڈ آف گورنرز، منہاج یونیورسٹی لاہور، پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی علم و امن کے فروغ میں نمایاں خدمات کے اعتراف میں پاکستان کی پہلی UNESCO Chair on Peace, Education & Intercultural Dialogue ("یونیسکو چیئر برائے تعلیمِ امن اور بین الثقافتی مکالمہ") تفویض کی گئی۔ یہ یونیسکو چیئر منہاج یونیورسٹی لاہور میں قائم کی گئی ہے۔ یہ عالمی اعزاز منہاج یونیورسٹی لاہور کو دنیا بھر کے ممتاز اعلیٰ تعلیمی اداروں کی فہرست میں نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔ منہاج یونیورسٹی لاہور، یونیسکو کے تعلیمی فریم ورک کے تحت امن، مکالمہ، تحقیقی تعاون اور بین الثقافتی ہم آہنگی کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔ یہ چیئر منہاج القرآن انٹرنیشنل اور منہاج یونیورسٹی لاہور کی امن کوششوں، انتہا پسندی کے تدارک، اعتدال پسندی کے فروغ اور تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کو پروان چڑھانے کے لیے کی گئی طویل المدتی کاوشوں کا باوقار اعتراف ہے۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے بانی و سرپرستِ اعلیٰ اور منہاج یونیورسٹی لاہور کے چیئرمین بورڈ آف گورنرز، شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس تاریخی کامیابی پر پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کو مبارکباد دی ہے۔ انہوں نے اس اعزاز کو ایک اجتماعی کامیابی قرار دیا جو عالمی امن اور ہم آہنگی کے لیے دہائیوں پر محیط علمی، فکری اور عملی خدمات کا مظہر ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ یہ یونیسکو چیئر رواداری، بقائے باہمی اور بین الثقافتی مکالمے کے فروغ کے مشن کو نئے عزم اور وسیع تر بین الاقوامی روابط کے ساتھ مزید مضبوط کرے گی۔

یونیسکو چیئر برائے تعلیمِ امن اور بین الثقافتی مکالمہ کے مقاصد میں امن کے مطالعات (Peace Studies) میں تحقیق اور علمی کاوشوں کو فروغ دینا، مختلف کمیونٹیز کے درمیان بین الثقافتی ہم آہنگی اور مکالمے کی حوصلہ افزائی کرنا، پالیسی سازی پر مبنی تحقیق اور عالمی تعلیمی تعاون کو فروغ دینا، اور پائیدار امن پر مرکوز تعلیمی ڈھانچوں کو مضبوط بنانا شامل ہیں۔ اس یونیسکو چیئر کا قیام عالمی تعلیمی اور امن کی کوششوں میں پاکستان کے بڑھتے ہوئے کردار کو تقویت دیتا ہے۔ یہ منہاج یونیورسٹی لاہور کو جنوبی ایشیا

میں امن کی تعلیم، تحقیق اور مکالمے کے ایک اہم مرکز کے طور پر نمایاں کرتا ہے۔

تعلیمی برادری، اسکالرز اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے اس پیش رفت کا خیر مقدم کیا ہے اور اسے عالمی امن اور بین الثقافتی تعاون میں پاکستان کے مثبت تشخص کو مضبوط بنانے کی جانب ایک اہم قدم قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کی 75 ویں سالگرہ

تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست اعلیٰ اور منہاج یونیورسٹی لاہور کے بورڈ آف گورنرز کے چیئرمین شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ کی 75 ویں سالگرہ پاکستان سمیت دنیا بھر میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کے اسلامک سنٹرز اور دفاتر میں عقیدت و احترام کے ساتھ منائی گئی۔ لاتعداد شہروں میں شیخ الاسلام سے قلبی و حبی تعلق رکھنے والے مختلف طبقہ ہائے فکر کے افراد نے بھی اُن کی 75 ویں سالگرہ کی خوشی منائی اور اُنہیں مبارکباد دی اور اُن کی صحت و تندرستی کے لئے دعائیں کیں۔ اس ضمن میں مرکزی تقاریب منہاج القرآن انٹرنیشنل کے مرکزی سیکرٹریٹ اور منہاج یونیورسٹی لاہور میں منعقد ہوئیں۔ ان تقاریب میں مختلف طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی ممتاز شخصیات نے شرکت کی اور شیخ الاسلام کی علم و امن اور اتحاد و یکجہتی کے لئے انجام دی جانے والی قومی و ملی خدمات پر اُنہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت ایک ایسا روشن چراغ ہے جو علم، حکمت، روحانیت اور انسانی خدمت کے ہر پہلو سے منور ہے۔ ان کی زندگی محض ایک عام انسانی زندگی نہیں، بلکہ ایک ایسے علمی، فکری اور روحانی سفر کی داستان ہے جو امت مسلمہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ نے ایک ہزار سے زائد کُتب تصنیف کیں جن میں سے 700 سے زائد کُتب شائع ہو چکی ہیں، بقیہ طباعت کے مراحل میں ہیں، یہ ایک ریکارڈ ہے۔ 14 سو

سال کی تاریخ میں شیخ الاسلام واحد شخصیت ہیں جنہوں نے اتنی بڑی تعداد میں کُتب تصنیف کیں۔ اس کے علاوہ ملک بھر اور بیرون ملک بھی یونیورسٹیاں، کالج، سکول قائم کئے جہاں لاکھوں طلبہ و طالبات بامقصد تعلیم کے زیور سے آراستہ ہورہے ہیں۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے پلیٹ فارم سے ہر سال ہزارہا خاندان مختلف مدات میں مستفید ہورہے ہیں۔

منہاج یونیورسٹی لاہور کا قیام شیخ الاسلام کی اعلیٰ تعلیم کے میدان میں ایک ایسی خدمت ہے جس کا ذکر آج ہر زبان پر ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے فروغ میں منہاج یونیورسٹی لاہور سرفہرست تعلیمی ادارہ ہے۔ منہاج یونیورسٹی لاہور کے بہترین تعلیمی معیار اور محفوظ ماحول کے باعث یہاں ہزارہا طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ منہاج یونیورسٹی لاہور میں 12 فیکلٹیز، 36 ڈیپارٹمنٹ اور انڈر گریجوایٹ اور پوسٹ گریجوایٹ کے 150 ڈگری پروگرام کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ منہاج یونیورسٹی لاہور پرائیویٹ سیکٹر کی واحد یونیورسٹی ہے جو ہر سال مستحق و ذہین طلبہ و طالبات کو مالی مدد اور سکالرشپس کی صورت میں 70 ملین روپے سے زائد کا مالی فائدہ پہنچا رہی ہے۔ منہاج یونیورسٹی لاہور کو اپنی نوعیت کے 8 منفرد ریسرچ سنٹرز اسے پرائیویٹ و پبلک یونیورسٹیز میں ممتاز مقام عطا کرتے ہیں۔ اسی طرح پرائمری اور سیکنڈری ایجوکیشن کے حوالے سے بھی شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کے ویژن کی روشنی میں وطن عزیز میں سیکڑوں بے مثال ادارے کام کررہے ہیں یہ ادارے منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت فروغِ علم کے لئے کوشاں ہیں۔

علم کی روشنی ہر گھر تک پہنچانے کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی خصوصی ہدایات پر 1994ء میں منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے محدود وسائل کے باوجود پاکستان بھر میں سکولوں کا ایک نیٹ ورک قائم کیا اور

ریموٹ ایریاز کے لاکھوں طلبہ و طالبات کو تعلیمی اداروں تک رسائی دی۔ ایم ای ایس کے تحت چلنے والے سکولوں میں منہاج ماڈل سکولز، منہاج پبلک سکولز، منہاج گرائمر سکولز، لارل ہوم انٹر نیشنل سکولز، لارل ایجوکیشن سروسز، پاک اردو سکول سسٹم، لارل پبلشرز قابل ذکر ہیں۔ لارل سکولز ہومز کی 100 سے زائد فرنچائزز قائم ہو چکی ہیں۔ ایم ای ایس کے تحت چلنے والے سکولنگ نیٹ ورک میں دینی اور دنیوی علوم یکساں پڑھائے جا رہے ہیں اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو مرکزیت حاصل ہے۔

اگر بات خدمت انسانیت کی جائے تو اس حوالے سے منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن پاکستان اور پاکستان سے باہر قابل تحسین اور قابل تقلید اپنا دینی انسانی، قومی و ملی کردار ادا کر رہا ہے۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن ایک قومی و بین الاقوامی فلاحی و رفاہی تنظیم ہے جو معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کی فلاح و بہبود کے لئے ہر شعبہ زندگی میں مدد و تعاون فراہم کرنے کے لئے پاکستان سمیت دنیا بھر میں کوشاں ہے۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن غربت، جہالت، بیماری، بیروزگاری، محرومیوں کے خاتمے اور قدرتی آفات اور بحرانوں کے متاثرین کی بحالی کے لئے عملی جدوجہد میں مصروف عمل ہے۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام آغوش کمپلیکس لاہور، آغوش آرفن کیئر ہوم کراچی، آغوش آرفن کیئر ہوم سیالکوٹ، منہاج کالج برائے خواتین خانیوال فیز ون عوامی خدمت میں پیش پیش ہیں۔ منہاج کالج برائے خواتین خانیوال کا پہلا فیز مکمل ہو چکا ہے۔ خواتین کا یہ پہلا کالج ہے جہاں عصری علوم کے ساتھ ساتھ خواتین کو دینی علوم بھی پڑھائے جائیں گے۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام اجتماعی شادیوں، فراہمی آب، فری دستر خوان، بیت المال، سٹوڈنٹس ویلفیئر بورڈ، مستحقین کی ماہانہ کفالت، فری آئی سرجری کیمپ، قدرتی آفات میں مدد، فری ایمبولینس سروس، منہاج ہسپتال و فری ڈسپنسریز کے فلاحی منصوبہ جات سالہا سال دکھی انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن مستحق و ذہین طلباء کو ان کی تعلیم مکمل کرنے کے حوالے سے بھی مالی معاونت فراہم کر رہا ہے۔ ہر سال سیکڑوں طلبہ و طالبات منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے مالی تعاون کے نتیجے میں اپنی تعلیم مکمل کر رہے ہیں۔

☆ منہاج یونیورسٹی لاہور میں ''فاؤنڈرز ڈے'' کی خصوصی تقریب منعقد ہوئی اس تقریب میں ہزارہا طلبہ و طالبات نے حصہ لیا اور شیخ الاسلام کی اعلیٰ تعلیم کے فروغ کے حوالے سے خدمات پر انہیں زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ اس موقع پر طلبہ و طالبات نے مختلف ہینڈی کرافٹس اور تخلیقی فن پاروں کے ذریعے شیخ الاسلام کی علم و امن کے لیے خدمات پر خراج تحسین پیش کیا۔ یہ تقریب ایک مثالی اجتماع تھی جس میں تعلیمی، سماجی، روحانی اور بین المذاہب ہم آہنگی کے مختلف پہلو نمایاں کئے گئے۔

تقریب میں شریک مقررین نے زبردست الفاظ میں شیخ الاسلام کو رواں صدی کی ایک بلند پایہ علمی شخصیت قرار دیتے ہوئے ان کے فکر و فلسفہ پر عمل پیرا ہونے کی بات کی۔ مقررین کا کہنا تھا کہ شیخ الاسلام نے امت مسلمہ میں اتحاد، رواداری، اعتدال پسندی اور فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے جو فکری اور عملی خدمات انجام دی ہیں، وہ مثالی اور قابل تقلید ہیں۔ ان کی کوششیں صرف پاکستان تک محدود نہیں رہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی ان کے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک میں بین المذاہب مکالمہ، امن و بھائی چارے کے فروغ اور علمی پروگراموں کے ذریعے مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کوششیں آج کے زمانے میں امت مسلمہ کے لیے نہایت اہم اور رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔

تقریب میں منہاج یونیورسٹی لاہور کے بورڈ آف گورنرز کے ڈپٹی چیئرمین و صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کو اقوام متحدہ کی جانب سے چیئر برائے امن، تعلیم اور بین الثقافتی مکالمہ تفویض ہونے پر خصوصی مبارکباد بھی پیش کی گئی۔ فاؤنڈرز ڈے کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خصوصی خطاب کیا اور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کی عالمی، ملی و قومی خدمات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ بعض شخصیات اپنی ذات میں ایک ادارہ، ایک عہد اور ایک فکر کی نمائندگی کرتی ہیں اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ بھی ایسی ہی نابغۂ روزگار ہستی ہیں۔ آپ عصر حاضر میں علمی اتھارٹی اور فکری رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ علم، بصیرت، حکمت، اعتدال اور تنظیمی صلاحیتوں کا حسین امتزاج ہیں۔ آپ کی خطابت، تصنیف و تالیف اور ادارہ سازی نے عالمی سطح پر اثرات مرتب کئے ہیں اور دین کی اصل روح کو عصری تقاضوں کے مطابق پیش کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے قیادت کے تصور پر معروف مفکر Warren Bennis کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ حقیقی لیڈر وہ ہوتا ہے جو اپنے وژن کو عملی شکل دینے اور اپنے خواب کو حقیقت میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتا ہو، مصر کی معروف جامعۃ الازہر میں خطاب کے بعد علمائے مصر نے آپ کی علمی گہرائی کا اعتراف کیا جبکہ بین الاقوامی کانفرنس کے بعد نامور ماہرِ قانون A. K. Birohi نے بھی آپ کے علمی مقام کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ 1996ء میں سیال شریف میں شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی نے کم عمری میں آپ کو شیخ الاسلام کا لقب عطا کیا جو آپ کی غیر معمولی علمی، روحانی اور مخفی خداداد صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ انہوں نے کہا کہ منہاج القرآن جہاد، اجتہاد اور تجدد کا حسین امتزاج ہے اور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ خدمتِ دین اور قیادت کے باہم مربوط تصور کا

استعارہ ہیں۔ آپ نہ صرف خود قائد ہیں بلکہ ایک ایسی نسل تیار کر رہے ہیں جو امت مسلمہ کی فکری و اخلاقی رہنمائی کا کردار ادا کرے گی۔

فاؤنڈرز ڈے کی تقریب میں معروف وائلن نواز استاد رئیس احمد خان نے خوبصورت انداز میں صوفیانہ دھنیں پیش کیں، اس کے علاوہ وطن عزیز کے نامور شاعر، دانشور زاہد فخری نے اپنا خوبصورت کلام پیش کیا اور شیخ الاسلام کو منظوم خراج تحسین پیش کیا۔ اس موقع پر سابق وائس چانسلر منہاج یونیورسٹی ڈاکٹر اسلم غوری کو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ، رجسٹرار پروفیسر ڈاکٹر خرم شہزاد کو پرائڈ آف یونیورسٹی ایوارڈ، اور ڈیپارٹمنٹ آف اکنامکس اینڈ فنانس کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر محمد طیب کو بیسٹ ٹیچر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ فیکلٹی ممبرز ڈاکٹر اسد محمود خان، ڈاکٹر عائشہ شفقت اور ڈاکٹر فہد نوید کوثر کو ریسرچ ایکسیلنس ایوارڈ اور عمارہ مقصود قادری اور سامعہ احسن کو ایم یو ایل ایکسیلنس ایوارڈز عطا کیے گئے۔ یہ ایوارڈز نہ صرف تعلیمی خدمات کی حوصلہ افزائی ہیں بلکہ علمی محنت اور تحقیق کو فروغ دینے کا بھی ذریعہ ہیں۔

☆ اسی طرح 19 فروری کو شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کی 75 ویں سالگرہ کی مناسبت سے منہاج القرآن انٹرنیشنل کے مرکزی سیکرٹریٹ پر ایک محفل حسن قرأت اور استقبال رمضان تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں وطن عزیز کے نامور قراء حضرات نے قرآن مجید کی دل پذیر تلاوت پیش کی۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ قراء سید صداقت علی، نور محمد چشتی اور خالد حمید کاظمی نے تلاوت کے ذریعے حاضرین کے دل و دماغ کو منور کیا۔ اس موقع پر پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا لکھا گیا عربی کلام بھی پیش کیا گیا، جس کا منظوم اردو ترجمہ ڈاکٹر سرور حسین نقشبندی نے پیش کیا۔ تحفیظ القرآن انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ نے بھی تلاوت پیش کی، جس سے یہ واضح ہوا کہ تعلیم اور روحانیت دونوں کا امتزاج شیخ الاسلام کی تعلیمات کا مرکزی حصہ ہے۔

تقریب میں مقررین نے شیخ الاسلام کے قلمی خدمات پر بھی روشنی ڈالی۔ ان کی کتب اور تحقیقی مضامین میں علم اور فہم کے ساتھ ساتھ اخلاق اور روحانیت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام نے علمی، فکری اور روحانی میدان میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ ان کے افکار اور نظریات آج بھی نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔

منہاج القرآن کی مرکزی تقریب میں وطن عزیز کے لیے دعا کی گئی اور شرکاء نے شیخ الاسلام کی درازی عمر، صحت و تندرستی کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

FOUNDER'S
100,000 PKR

دستور
مدینہ
Ali
Rizwan
Awais
Fakad
Hammad

MWF
WELFARE
FOUNDATION
MWF MEDICAL UNIT

FOUND
Day

Peace Founder
peace
tolerance
Islamic Ethics & Global Peace
Countering Radicalism
Islam and Peace
Fatwa Against Terrorism

er's Day 2023 Founder's Day

DR.
TAHIR - UL - QADRI

FOUND
Day

Fair wages
Social Struggle for Right
Power
Wealth

FOUNDER'S Day 2026

استقبالِ ماہِ صیام

محفلِ حسنِ قرأت بسلسلہ استقبالِ ماہِ صیام

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کا دورہ ایشین ممالک

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
MAR-2026
Regd CPL No.41

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیرِ اہتمام

33 واں سالانہ

شہرِ اعتکاف

2026

تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، فہمِ دین، اِصلاحِ اَحوال، تہذیبِ اَخلاق اور روحانی تربیت و ترقی کا مرکز

شہرِ اعتکاف میں علمی و روحانی خطابات کی سیریز

انسان میں انسانیت کیسے پلٹائی جائے؟

- اصلاحِ فکر و عمل اور خود احتسابی کا ایک نادر و منفرد موقع
- شیخ الاسلام کی بابرکت سنگت و صحبت میں اس روحانی خلوت کے سفر میں شریک ہوں۔
- رجسٹریشن کے لیے تحریکِ منہاج القرآن کی مقامی تنظیم سے رابطہ کریں۔

خصوصی خطابات

دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

Will be Live on YouTube /DrQadri

TahirulQadri